مثنوی

آئینۂ اخلاق

خواجہ دِل محمد ایم۔اے

پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور

سنہ ۱۹۳۸ء

کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور میں باہتمام لالہ گوراند تا کپور مینیجر چھپی

قیمت فی جلد

آئینۂ اخلاق

مصنفہ

خواجہ دل محمد ایم ۔ اے پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور

سنہ ۱۹۳۸ء

کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور میں باہتمام لالہ گوراندتا کپور منیجر چھپی

قیمت فی جلد ٦ ر

رائے صاحب لالہ رام جوایا کپور مالکِ فرم

میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز لاہور نے

شائع کیا۔

فہرستِ مضامین

حصۂ اوّل

حُسنِ اخلاق

غنیمت سمجھ زندگی کی بہار
کہ آنا نہ ہوگا یہاں بار بار
تو کہ اس طرح باغِ ہستی کی سیر
کہ انجام جس سیر کا ہو بخیر
چُن اپنے لئے پھول یا خار تُو
کہ نیکی بدی کا ہے مختار تُو
جو دل چاہے اِس زندگی کو سنوار
بہار اس کی دیکھ اور اُجلا نِکھار
جو دل چاہے یہ باغ ویران کر
خود اپنی تباہی کے سامان کر
جو دل چاہے لے راہِ عقل و صواب
جو دل چاہے کر اپنی مٹی خراب

جو دل چاہے پاکیزہ اطوار سیکھ
جو دل چاہے بیہودہ کردار سیکھ
مسرّت ملے جس سے آفاق میں
وُہ فردوس ہے حسنِ اخلاق میں
نہیں خُلق جس میں وُہ اِنساں نہیں
نہیں جس میں خوشبو وُہ ریحاں نہیں
نہ ہو صورت اچھی تو مورت ہی کیا
نہ سیرت ہو اچھی تو صورت ہی کیا
نہ آئینۂ خود نمائی کو دیکھ
ذرا دِل کے اندر صفائی کو دیکھ
بدی سے بچے گا جو ہے ہوشمند
کہ نیکوں کو آتی ہے نیکی پسند
بھلائی ہے خود آپ اپنی جزا
بدی سے نہیں کوئی بڑھ کر سزا
پھلے اور پھُولے گی ہر حال میں
جڑیں ہیں نکوئی کی پاتال میں
رہیں گے وہ خوش ہیں جو اِنساں بھلے

مُروّت کی کھیتی نہ کیونکر پھلے
نہ احسان و انعام کا رکھ خیال
تُو کر نیکیاں اور دریا میں ڈال
مزا بھی اُٹھا لے زباں بھی نہ کاٹ
یہ تلوار پر شہد ہے اِس کو چاٹ
اگر رائے بدلے نہ بدلیں اصول
جڑیں ہیں جو قائم تو شاخوں پہ جُھول
ترے نقش پا سب کے ہوں رہنما
قلم کی طرح چل کے رستہ دکھا

چلن نیک رکھ یہ تری ڈھال ہے
چلن نیک رکھ یہ بڑی چال ہے

نصب العین

۱ اگر مقصدِ زندگانی نہیں
تو حاصل تجھے کامرانی نہیں

نہیں ہے تجھے فکرِ کسبِ کمال
تو پھر کیوں نہ آ جائے تجھ پر زوال
نہیں جب کوئی مطمحِ زندگی
تو ہے زندگی وجہِ شرمندگی
ذکی انتہا سے کرے ابتدا
غبی کی تمہ ابتدا انتہا
کریں گے اُسے اہلِ عالم پسند
جو ہو عزم و ہمّت میں اُن سے بلند
بلندی سے ہوں سر بلند آشنا
ہو اُونچے پہاڑوں کی اُونچی ہوا
بلندوں کو پستی سے ہو اجتناب
پکڑتا نہیں مکھیوں کو عقاب
اُمنگ - ولولہ - جوش - ہمّت - اُمنگ
نہوں یہ تو ہو عرصۂ زیست تنگ
جو مقصد نہیں پھر ہے بیچارگی
تری سب تگ و دو ہے آوارگی
ارادے کا معیار رکھو بلند

ہمالہ کی چوٹی پہ ڈالو کمند
ستاروں سے نیچا ہے گر آشیاں
تو اس آشیاں میں بلندی کہاں
جو شبنم کا قطرہ گرا خاک پر
اُڑا صبحدم وہ بھی افلاک پر
جو مٹی سے تنکا اُگا گھاس کا
بلندی کی جانب چلا سر اُٹھا
وُہ دانہ کہ جس پہ پڑی خاک دُھول
اُٹھا پیڑ بن کر لگے اُس میں پھول
سمندر کے پانی کا نکلا نہ کھار
اُڑا وہ نہ بن بن کے جب تک بخار
رہی اُس کو جب تک تلاشِ کمال
تو بڑھتا گیا آسماں پر ہلال
مگر جب ترقّی سے رُکنے لگا
کماں ہو کے گوشے میں جھکنے لگا
جو دل میں ترے موجزن ہو اُمنگ
ہو چہرے پہ رونق دمکتا ہو رنگ

سمجھ زندگی کا نہ مقصود عیش
کہ ہے عیش و عشرت کے ہمراہ طیش
ارادوں میں اپنے صفائی دکھا
بلندی دکھا دلکشائی دکھا

اِرادہ

ارادے کے تابع ہے سب زور شور
اِک آنکس کے نیچے ہے ہاتھی کا زور
ارادے پہ نصرت کی بنیاد ہے
ارادہ جو کر لے وُہ آزاد ہے
ارادہ رُکے گا نہ پر تول کر
جہنّم بھی روکے جو مُنہ کھول کر
ارادے کی چاکر ہے تسخیر بھی
پلٹ دیں اولوالعزم تقدیر بھی
جب انسان کا عزم کرتا ہے جست

بلند آسماں کو سمجھتا ہے پست
اولوالعزم کا رُخ جدھر ہو گیا
زمانہ ادھر سے اُدھر ہو گیا
اولوالعزم نکبت سے کیسے دبے
اُلٹنے سے بھی شعلہ اُوپر اُٹھے
سمندر اُسی کا طرف دار ہے
قوی ہاتھ میں جس کے پتوار ہے
وُہ کس کام کا جو ادھورا ہو کام
نہ سستاؤ جب تک نہ پورا ہو کام
ارادہ ہے مردوں کا کوہِ گراں
پہاڑ اپنی جا سے ٹلے گا کہاں
جو تُو ہے بہادر سمجھ لے یہی
کہ ہے تخت یا تختہ منزل مِری
ارادہ ترا ہو جو سُلجھا ہُوا
رہے گا نہ تو غم میں اُلجھا ہُوا
اگر باز کے پر ہوں آراستہ
ہوا میں ہر اِک سمت ہے راستہ

تُو لفظوں کو کاموں کے سانچے میں ڈھال
نصیحت سے بہتر ہے اچھی مثال

جو منزل کو جانا ہے سامان باندھ
ہوا کے نہ دامن میں ارمان باندھ

کوئی ہے مُعزّز کوئی خوار ہے
ہر اِک اپنی قسمت کا معمار ہے

قلم خوب ہو روشنائی ہو خوب
جو دل خوب ہو تو لکھائی ہو خوب

زمانہ گرے کو اُٹھاتا نہیں
گرا اشک پھر ہاتھ آتا نہیں

جو دل اپنا دُبدھا میں پاتا ہے تُو
تو اُڑتا نہیں پھڑ پھڑاتا ہے تُو

طبیعت ہو یکسو تو ہوتا ہے کام
کہ دُبدھا میں مایہ ملے گی نہ رام

استقلال

نہ گھبرا جو مقصد میں تاخیر ہو
کہ دلّی نہ اِک دن میں تعمیر ہو

نہ ہو جلد بازی سے مقصد حصُول
جو پھل چاہتا ہے تو مت توڑ پھول

اگر کامیابی نہ ہو جی نہ چھوڑ
گرے بھی جو سو بار ہمّت نہ توڑ

وُہ جیتے گا ہو جس کا دل استوار
وُہ ہارے گا دل جس کا جائے گا ہار

نہ موجوں تھپیڑوں کو لا دھیان میں
ہو بیناہِ پُر خطر طوفان میں

نہ کر تو گرفت اپنے پنجے کی سُست
ارادہ ہو پختہ خیالات چُست

نہ ہو زور و طاقت میں جب تک ثبات
تو بجلی کا کڑکا ہے تیری حیات

مصیبت اُٹھا اور مُنہ سے نہ بول
کہ اہرن ہے مضبوط، اوچھا ہے ڈھول
جو ہر ضرب پر شور و زلزال ہے
تو انسان کا ہے کو گھڑیال ہے
نہیں غم اگر حوصلہ ہے بڑا
مصیبت بڑی ہے تو رکھ جی کڑا
یہ اچھا ہے گر ابتدا خُوب ہو
بہت خوب اگر انتہا خوب ہو
لگے اینٹ پہلی اگر اُستوار
تو سو گز ہوا میں کھڑا ہو منار
بنا ذرے ذرے سے کوہِ گراں
ہُوئے قطرے قطرے سے دریا رواں
اگر تھوڑا تھوڑا کئے جاؤگے
مُرادوں کے ثمرے لئے جاؤگے
بنائی جو چیونٹی نے تنکے کی ناؤ
تو شاید اُسے پار کر دے بہاؤ
نہ سختی سے زور آزمائی کرو

تحمّل سے مشکلکشائی کرو

روا ہے جو ہوتا ہو پانی رواں
اگر پُل رواں ہو ٹھکانا کہاں
توجہ کرو گر جما کر خیال
تو حاصل ہو پھر علم و فن میں کمال
ارادے پہ چھائے نہ بیچارگی
خیالوں میں آئے نہ آوارگی
بتایا ہمایوں نے یہ مرتے دم
کہ سر ٹُوٹ جائے جو پھسلے قدم

تندرستی

اگر شاہِ عالَم نہیں تندرست
تو پھر اُس سے بہتر ہے دہقان چُست
ہے صحت خوشی کی سُنہری کلید
کہ ہے تندرستوں کو ہر روز عید

جو صحت نہیں تن میں چُستی کہاں
ٹکوں سے ملے تندرستی کہاں
تجھے تندرستی کی لازم ہے قدر
کہ مُلکِ بدن میں نہ ہو جائے غدر
مرض سے خردمند کو عار ہے
مریض آپ اپنا گنہگار ہے
ہے صحت سے روحانیت کا مزا
ہو پوشاک اُجلی تو خوشبو لگا
وہ پیٹو جو کھا کھا کے بیمار ہو
کہو اس سے فاقے کو تیّار ہو
وہ دعوت اُڑانے کی لذّت ہی کیا
کہ اِک دن غذا اور دس دن دوا
نہ بھرتے رہو پیٹ کو بار بار
بہت خوار ہوتا ہے بسیار خوار
بدن کا اگر تیرے حاکم ہے پیٹ
تو کرتا رہے گا سمیٹا سمیٹ
اگر کھانے پینے میں ہو اعتدال

نہ ہوگی کبھی زندگانی وبال
دوا روز کی ہے غذا روز کی
غذا روز کی ہے دوا روز کی
طبیبوں کے نسخوں میں رکھا ہے کیا
کہ پرہیز ہے سب سے بہتر دوا
جو پرہیز کا تُو نے سیکھا ہو گُر
بدن چاق چوبند ہو جیب پُر
تُو رہ چُست چل پھر کے سُستی کو چھوڑ
تُو جُوتے کو گھس چار پائی نہ توڑ
مرض میں کہاں رُوح آرام پائے
نہ بوسیدہ چھت کے تلے نیند آئے
سُکھی ہے جو ہشّاش و بشّاش ہے
دُکھی ہے جو اوباش و عیّاش ہے
نہ دولت کمانے میں صحّت گنوا
کہ صحت نہ ہو جب تو دولت سے کیا
بلندی سے پستی کرے تین پانچ
کبھی پوستی کی نہ اونچی ہو آنچ

؎ اگر جاں سُکھی ہے جہاں خوشگوار
کہ اِک تندرستی ہے نعمت ہزار

علم

سعادت، سیادت، عبادت ہے علم
حکومت ہے، دولت ہے، طاقت ہے علم
یہ پُوچھو کسی مردِ مختار سے
قلم تیز چلتا ہے تلوار سے
پسر علم و فن سے اگر دُور ہے
پدر کی وہ اِک چشمِ بے نور ہے
جو لاڈوں سے بگڑا ہوا پُوت ہو
کبھی اولیا ہو کبھی بھُوت ہو
نہ پھُولوں کی سیجوں پہ آتا ہے علم
نہ ڈرنے میں انسان پاتا ہے علم
دلوں میں بھرو علم کا مال و زر

نہ قازِق کا خطرہ نہ چوروں کا ڈر

6 بڑھے علم انساں کا تعلیم سے
کہ دولت یہ دُگنی ہو تقسیم سے

7 اگر پوچھنے میں کروگے حجاب
تو پڑھتے رہوگے جہالت کا باب

8 جہالت سے انساں مصیبت اُٹھائے
اندھیرے میں جو جائے ٹھوکر ہی کھائے

9 ہدایت کی مشعل ہیں علم و ہنر
جہالت ہے خطرہ جہالت سے ڈر

10 اگر خاک پر پھونک مارے جہول
تو جھونکے گا اپنی ہی آنکھوں میں دھول

11 نظر ہو تو جوہر کو جوہر کہے
ہے اندھا جو ہیرے کو کنکر کہے

12 ہے جاہل کو نیکی بدی بات ایک
کہ ہوتے ہیں اندھے کو دن رات ایک

13 بھلا مردِ جاہل کا ایمان کیا
کہ اندھے کو رنگوں کی پہچان کیا

۱ گدھے کو اُڑھا دیں جو مخمل کی جھول
دُلتی چلانا نہ جائے گا بھول

بہت لوگ باتوں میں لقمان ہیں
عمل میں جو دیکھو تو نادان ہیں

علاج جراحت کو حاذق وُہ چُن
ہیں طبع میں جس کی یہ چار گُن
نظر باز کی ، سر فلاطون کا
جگر شیر کا ، ہاتھ خاتون کا

جو ہو بدر کی طرح حاصل کمال
تو اوروں کو ظلمت سے باہر نکال

جو سیکھو کسی کو سکھاتے چلو
دِیئے سے دِیئے کو جلاتے چلو

وقت

۱ گنوائے گا عاقل نہ بیکار دن
کہ انساں کی ہے زندگی چار دن

نہیں وقت سے بڑھ کے انمول مال 2
نہ ماضی کو رو اب، توبہ کر نہ حال
جو ہر کام کرتا رہے وقت پر 3
ملے اُس کو آرام شام و سحر
نہ کر عمر کی اِک بھی ضائع گھڑی 4
کہ ٹوٹی لڑی جب کہ چھوٹی کڑی
جو رہ جائے پیچھے وُہ ہوگا خجل 5
گریزاں ہے وقت اس سے تیزی سے ٹل
وُہی کامراں ہو جہاں ہیں مدام 6
مقدم جیسے کام پیچھے طعام
اگر کل سے بہتر نہیں آج تم 7
تو اِک دن کی دولت ہوئی تم سے گم
گھڑی ہر گھڑی جو اٹکتی رہے 8
سرِ طاقِ نسیاں لٹکتی رہے
نکھر کر دکھایا ہے سورج نے روپ 9
سُکھا لیجئے دھان نکلی ہے دھوپ
غنیمت ہے دم، کچھ کرو کام کاج 10

11 ہوا چل رہی ہے اُڑا لو اناج
گئی ایک پل بھی جو غفلت میں چھوٹ
12 تو مالا گئی ساٹھ ہیروں کی ٹوٹ
وُہی زندگی کی سُنہری ہے پل
13 کہ جس پل میں خونِ دل کا جائے ابل
جوانی کے دن جو گنواتے پھریں
14 بڑے ہوکے چمٹا بجاتے پھریں
جو کام اپنے کرتا رہے بے درنگ
15 ہو پیری میں اس کی جوانی کا رنگ
نہ ہو جس کو درد اپنے اوقات کا
16 بھلا ایسے احمق کی اوقات کیا
نہو کام کچھ اور دن ہو تمام
17 تو ڈوبا وہ دن اور اُجڑی وہ شام
نہ تو کل کے افسوس میں آج رو
18 کہ کل رونے بیٹھے گا پھر آج کو
دیا قیمتی وقت ہم نے گنوا
19 ہے گھڑیال کیوں مُفت میں پٹ رہا

خوشی سے ہو لبریز اُس کی حیات
کہ دن جس کا دن رات ہو جس کی رات
کسی نے کلوں کے کہا شور میں
کہ فرصت ملے گی فقط گور میں

محنت

جو محنت کرے ہو وُہی سرفراز
ہے اِنساں کی عظمت کا محنت میں راز
ملے گا ریاضت کا پھل بالیقیں
کہ جیسا ہو دہقان ویسی زمیں
کنوئیں کھود، نہریں بہا، چھان ریت
کہ سیراب ہوں گے نہ شبنم سے کھیت
جہاں میں جنہیں کام سے کام ہے
اُنہیں کام میں لطف و آرام ہے
اگر تجھ کو محنت میں لذّت ملے

تو دولت بھی اُس کی بدولت ملے
ہو مطلوب نعمت تو محنت نہ چھوڑ
اگر مغز چاہے تو بادام توڑ
انھی کی ہر اِک بات پکّی رہے
سدا جن کی چکّر میں چکّی رہے
نہ پُروا نہ پچھوا کا رکھ دغدغا
کوئی ہو ہوا اپنی چکّی چلا
کہ چکّی جو پھیری تو ڈھیری ہوئی
جو ڈھیری ہوئی جی کو سیری ہوئی
بلندی کا طالب رہے جاگتا
وہ عیش و طرب سے رہے بھاگتا
جو پھولوں کی سیجوں میں لیٹا کرے
بڑا ہو کے کانٹے سمیٹا کرے
چلے کل بدن کی تو پڑتی ہے کل
چلائیں گے ہل بیل کو بیل ہل
سمیٹے جو گرمی میں پھولوں کا رس
نہ سردی میں کیوں شہد چاٹے مگس

وُہ چپّو چلاتا ہے کشتی کو خوب
اُبھرتا ہے پانی سے جو ڈُوب ڈُوب

اگر کام مشکل بڑی جان ہے
خوشی سے کر اس کو تو آسان ہے

نہ بے شوق اِنساں کی محنت پھلے
کہ بھیگا ہُوا کوئلہ کب جلے

کرو فرض کو اس طرح سے ادا
کہ گویا سروں پر کھڑی ہے قضا

جزا بھی وُہ پائے کرے جو عمل
وہ کھائے گا پھل جو چلائے گا ہل

عمل میں جو رفعت نہ انساں دکھائے
بلندی خیالوں کی کس کام آئے

عمل کے مطابق صلہ ہے مدام
کہ املی سے املی ہو آموں سے آم

کاہلی

1 کبھی سست انساں کو فرصت نہیں
ہلاتا رہے آسمان و زمیں
2 دماغ ایک بیکار انسان کا
بس اک کارخانہ ہے شیطان کا
3 نکمے کو سوجھیں برے کام کاج
اگر گھر ہے سونا بھڑوں کا ہو راج
4 تساہل مٹا دے گا بیکار کو
کہ زنگار کھا جائے تلوار کو
5 جو کاہل ہو گھر سے وہ کیونکر چلے
کنوئیں میں کہے گا یہیں ہم بھلے
6 جو قسمت پہ چھوڑیں گے ہر ایک بات
جگہ سے نہیں بڑھ کے اُن کی حیات
7 دماغ اپنے رکھو مصفّا سدا
نہ لگنے دو سستی کے جالے ذرا

8 کہاں سوکھی باتوں سے ہو ریل پیل
کھلی پیلنے سے نہ نکلے گا تیل
9 تاسّف زر و مالِ قلّاش ہے
مجھے "کاش" والوں سے پرخاش ہے
10 بناتا رہے جو ہوائی محل
زمیں اُس کے ہاتھوں سے جائے نکل
11 ہے سُستی کی رفتار سُست اس قدر
پکڑ لے اُسے مفلسی دوڑ کر
12 تخیّل کی گلیوں میں پھرتے ہیں خوار
امیدوں کے گھوڑوں کے اوچھے سوار
13 امیدوں سے اِنساں نہو کامیاب
امیدیں فقط جاگتوں کے ہیں خواب
14 نہ پھندا لگائیں نہ گھر سے ہلیں
گرے آسماں اور چڑیاں ملیں
15 وہ تنّور ہر دم تپایا کریں
نہ ٹکیا بھی لیکن پکایا کریں
16 نہیں کاہلی ہے یہ فرصت کی چور

نہیں کاہلی ہے یہ زندوں کی گور
۱۶ نہ باتیں بنا کر ہی بہلاؤ جی
کہ پانی بلونے سے نکلے نہ گھی
۱۸ ہوا میں جو بیٹھے چلاؤ گے ہل
اُگیں گے نہ خوشے ملے گا نہ پھل
۱۹ طلسمِ خیالی کے بھولے اسیر
جو سوئیں تو راجہ جو اُٹھیں فقیر
شہنشاہِ بزمِ خیالی نہ ہو
تُو بن شیرِ نر شیرِ قالی نہ ہو

تسخیرِ نفس

۱ نہ فتحِ ممالک کی تدبیر کر
تُو خود کو ذرا پہلے تسخیر کر
۲ اگر اپنے دل پر نہیں حکمراں
مسخّر ہو کس طرح سارا جہاں

3 کہاں بندۂ نفس آزاد ہے
ہوا میں گھرا جو وہ برباد ہے
4 اگر حکمراں دل کے اندر ہے تو
نصیبے کا اپنے سکندر ہے تو
5 ترا زور تجھ سے اگر ہو نہ زیر
تو انساں نہیں تُو ہے دَرِّندہ شیر
6 جو غُصّہ ہے غالب تو حیواں ہے تُو
جو غُصّے پہ غالب ہے انساں ہے تُو
7 بڑھے جو کرے نفسِ سرکش کو پست
ہے فاتح جو دے پہلے خود کو شکست
8 جو اصلاح چاہے تو کر جی کڑا
کہ اندر کا دشمن ہے دشمن بڑا
9 جو کھانے کی خواہش ہو غم کھا کے جی
یہ پینے کی ہے چیز غُصّے کو پی
10 بنایا ہے فطرت نے انساں اگر
درندوں کے اخلاق پیدا نہ کر
11 حوادث میں دل کا توازن نہ بھول

غموں سے نہ مُرجھا خوشی سے نہ پھُول
12 جو فطرت نے تجھ کو بنایا ہے مرد
خوشی سے جہاں کے اُٹھا گرم سرد
13 امیری کے دم سے نہ مغرور ہو
غریبی کے غم سے نہ رنجور ہو
14 خوشامد سے مت پھُول جانا کبھی
سرشت اپنی مت بھُول جانا کبھی
15 جو منزل پہ جانا ہو بے اختلال
تو میٹھی ہی رکھ اپنے گھوڑے کی چال
16 وُہ ہے برگزیدہ جو کرتا ہے صبر
وہ آزاد ہے جو کرے دل پہ جبر
17 جو تُو مردِ خوشخو ہے غُصّے سے بھاگ
کہ اچھا نہیں جڑ میں صندل کی ناگ
18 جو نیکی ہو غائب تو راحت بھی جائے
ملے دُودھ کیونکر جو بِک جائے گائے
19 کمیں میں ترا نفس ہے بالیقیں
یہ اپنا ہی کُتّا نہ کاٹے کہیں

ہوا و ہوس خشم و امید و بیم
جو حاکم ہو اِن پر وُہی ہے حکیم

اصلاحِ نفس

۱ خیالوں کی تم دیکھا بھالی کرو
دماغی غذا کی جُگالی کرو
2 جہاں غیر کے تم نکالو عیوب
وہاں دیکھو اپنے بھی عیبوں کو خوب
3 اگر مور رنگیں دکھاتا ہے پَر
کرے پاؤں پر بھی تو اپنے نظر
۴ وُہی شہسواروں میں پاتا ہے نام
جو قابو میں گھوڑے کی رکھے لگام
5 چلن راستبازی کے سانچے میں ڈھال
قلم کی طرح ایک رکھ حال قال
6 جو عیب اپنا دیکھے اُسے دُور کر

نہ بچھو کو چادر ہیں مستور کر
۷ خطا غیر کی بخش رکھ جی کو صاف
قصور اپنا لیکن نہ کرنا معاف
۸ تو اپنا بدن تابع روح کر
تحمل سے جذبوں کو مفتوح کر
۹ اگر من ہے میلا نہ تن کو سنوار
پپیا ہے جو اندھا تو کیسا سنگار
نہ ٹھوکر لگے جس میں چل ایسی چال
کہ پل کی لگی چوٹ لیتی ہے سال
عوام اور لوگوں کی کرتے ہیں ریس
بڑھیں خاص لیکن بہ نفسِ نفیس
زمیں کو کڑا گو لگے پہلے ہل
اُسی سے اُگیں گے مگر پھول پھل
ضرر ہے ضرر گر نہیں دل میں زور
کہ کمزور تالا بلاتا ہے چور
خیالات کی ہو یہاں دار و گیر
عدالت کا کمرہ ہے گویا ضمیر

بُری عادتوں میں جو پھنستا گیا
16 وُہ ذلّت کی دلدل میں دھنستا گیا
جو پتھّر نہ لگ جائے دیوار میں
17 وُہی ٹھوکریں کھائے بازار میں
بڑھا ہاتھ مت آنکھ میچے کبھی
18 کہ ہو سانپ پھُولوں کے نیچے کبھی
نہیں دُور رُوحانیوں کا مقام
19 بلندی ہے اِک قدِ آدم تمام
نہیں ہے ضعیفی نے گھیرا ابھی
20 سنبھل جا ذرا ہے سویرا ابھی
جو مُردے کو امرت پلایا تو کیا
21 مسیحا پسِ مرگ آیا تو کیا

12

اعتمادِ نفس

1 سہارا جو غیروں کا تکتے رہیں

وُہ تصویر بن کر لٹکتے رہیں
جنہیں کامیابی میں اپنی ہو شک
تو منزل سے پہلے وہ جائینگے تھک
نہ جو کامیابی کو سمجھیں محال
پہنچ جائیں منزل پہ مثلِ خیال
نہیں تیرے دل میں جو زور و ثبات
تو ہے نقش بر آب نقشِ حیات
اگر دل میں ایقان و ایمان نہیں
سمجھ لو کہ قالب تو ہے جاں نہیں
یقیں آدمی کو کرے سرفراز
یقیں ہی میں ہے کامیابی کا راز
جسے اپنے بل پر نہ ہو اعتبار
ملے گی اُسی من کے ہارے کو ہار
بھروسے کا انسان بے باک ہے
نہیں تو فقط موم کی ناک ہے
بھروسے کا انساں نکل جائے گا
پہاڑ اُس کے رستے سے ٹل جائیگا

10 جو کرنا ہے کر تُو بھروسے کے ساتھ
سمجھ ہاتھ کو اپنے قدرت کا ہاتھ

11 تو ہو اس طرح کام میں کامیاب
کہ گویا ہے قُدرت کا نائب مناب

12 ترا دم جو فطرت کا دمساز ہو
تری بات قدرت کی آواز ہو

13 بڑی جن کی ہمّت بڑا جن کا ظرف
وُہ سیکھے نہیں "غیر ممکن" کا حرف

14 ارادہ جو مردوں کا ٹلنے لگے
تو مغرب سے سُورج نکلنے لگے

15 تُو اپنی ہی قوّت پہ رکھ اعتماد
نہ بوجھ اپنا اوروں کی گردن پہ لاد

16 کہ اپنے پروں پہ ہی اترائے مور
کرے ناز اوروں کی دولت پہ چور

17 نہ کوس آسماں کو جو پُہنچے زیاں
تو اپنی زمیں کا ہے خود آسماں

18 گُذارا سہارے پہ کیسا جناب

کہاں تک اُڑے گا عَلم کا عقاب
بدلتا رہے رُخ جو مُرغِ ہوا
نہو رہنما مثلِ قبلہ نما
اگر کامیابی کا ہو دل میں جوش
بشاشت سے چہرہ رہے گلفروش

خود داری

۱ نہ تک غیر کا ہاتھ عزّت سے جی
تو اپنا ہی کھا اور اپنا ہی پی
۲ گھر کی طرح سے بچا آبرو
نہ غیروں سے مانگ آب و دانے کو تو
۳ کمائی پہ اوروں کی تھوکے دلیر
کہ گیدڑ کا جھوٹا نہ کھائے گا شیر
۴ جو خود دار اِنساں ہے عالی خیال
کرے جام کا وہ نہ جم سے سوال

نہ خود دار مر کر بھی لے گا کفن
کہ ہو آگ بجھ کر خود اپنا کفن
حبابِ لبِ جُو بھی خود دار ہے
کہ دریا پہ کاسہ نگوں سار ہے
گدائی کا کاسہ نہ لینا ہلال
تو آخر کو ہوتا نہ اُس کو زوال
نہ خود بیں نہ خود سر نہ ہو خود پرست
نہ خود دار انساں خودی میں ہو مست
کرے اپنی توقیر خود دار شخص
کرے سب کی عزّت خوش اطوار شخص
نظر سے جو اپنی ہی گر جائے گا
زمانے کا رُخ اُس سے پھر جائیگا
نظر میں جو اپنی ہی تم ہو خفیف
تو کیونکر جہاں تم کو سمجھے شریف
بجائیں جو اپنی حماقت کی بین
وُہ کوڑی کے بکتے رہیں تین تین
جو انساں خود اپنی نگہ میں بچے

وُہ خود دار اکثر بدی سے بچے

جو خود دار ہے وُہ رہے پاکباز
نکوئی کرے گی اُسے سرفراز

جو خود دار ہو گا وُہ لے گا نہ قرض
سبکدوش رہنا وہ سمجھے گا فرض

یہ ہے قوّتِ دل کی اس کے دلیل
کہ خود دار ہوتا ہے مردِ عقیل

ترا دل جو کرتا ہے عزّت تری
تو ممکن نہیں پھر ہو ذِلّت تری

جو ہو یارِ شاطر بنے میزباں
جو ہو بارِ خاطر بنے میہماں

یہ ہے میہماں اور مچھلی کی خُو
کہ آنے لگے تیسرے روز بُو

کھُلا در کو رہنے دے یا بند رکھ
تُو اِک وضع کا خود کو پابند رکھ

آزادی

نہ مال و منال و محاصل میں ہے
مری بادشاہی مرے دل میں ہے
ہے دل کے سبب اہتمامِ حیات
یہ دُولھا کے دم سے سجی ہے برات
اگر زندگی تیری آزاد ہے
تو خوشبو کی مانند تُو شاد ہے
اگر رُوح آزاد تیری نہیں
تو کاموں میں تیرے دلیری نہیں
تُو آزاد رہ مثلِ طیرِ خیال
بھلا کس نے ڈالا ہے عنقا پہ جال
ہے آزادگی اِک ثوابِ عظیم
غلامی جہاں کا گناہِ قدیم
نہیں زندگانی کو بندش پسند
کہ ہوگا سمندر نہ کوزے میں بند

8 نہیں ہے اگر رُوح جکڑی ہُوئی
تو گردن ہو زنداں میں اکڑی ہُوئی

9 غلامی رسوم و خیالات کی
ہے دُشمن حصولِ کمالات کی

10 جو فطرت میں آزادگی کا ہو شوق
غلامی نظر آئے لعنت کا طوق

11 جو آزادگی کے ہیں طالب سعید
اُسے جان دے کر بھی لینگے خرید

12 پھنسیں گے نہ آزادہ رُو چال میں
ہوا بند ہوتی نہیں جال میں

13 رہیں بن کے بھیڑیں بحالِ خراب
ہوا میں اکیلا اُڑے گا عقاب

14 ہو آزاد ہونے کی خواہش جسے
وُہی تیر کی طرح سیدھا چلے

15 ہے آزاد پابندِ آئیں مدام
وُہ ناشاد ہے جو کہ ہے بے لگام

16 یہ شبلی سے فرما رہے تھے جنید

ہیں کوّے تو آزاد بُلبل ہے قید
رہے کیوں نہ حُسنِ مقیّد ملول
جو ڈبیا میں رکھّو تو مرجھائے پھُول
غلامی بُری گو ہو توقیر بھی
کہ بھاری ہے سونے کی زنجیر بھی
پھنسے جو غلامی کے اندر جہول
ملیں اُس کو دو سینگ تو بھی قبول
جو پانی پہ کشتی ہو تیرے گی خُوب
جو کشتی میں پانی ہو جائیگی ڈُوب

قناعت

١ قناعت ہے دل کی سُہانی فضا
قناعت ہے سینے کی ٹھنڈی ہوا
قناعت سے خوشحال ہوں شیخ و شاب
قناعت سے کھُل جائیں جنّت کے باب

قناعت اگر قلبِ انساں میں ہو
تو جی پُر سکوں غم کے طوفاں میں ہو
قناعت کو دل کی امیری سمجھ
طمع اپنے جی کی فقیری سمجھ
قناعت سے کر زندگانی بسر
کہ چھوٹی سی چڑیا تو چھوٹا سا گھر
نہ جو مال دھن پر قناعت کرے
تو اِک دن کفن پر قناعت کرے
نہیں زیست کا گھاٹ آرامگاہ
تو پی ایک گھونٹ اور لے اپنی راہ
نہ قسمت ہمیشہ رہے ایک تول
ہمیشہ رہا ہے کہاں چاند گول
نہ جاہل ہو خوش لے کے چودہ طبق
ہے عاقل کو درکار سدِّ رمق
"جہاں گل وہاں خار" کہتے ہیں گُل
تو خوش ہو کہ ہے خار کے ساتھ گُل
تو رہ شادماں گرچہ خالی ہو پیٹ

ملے دولتِ علم جنّتی سمیٹ
قناعت ہے شایاں زر و مال پر
قناعت نہ کر علم و اعمال پر
نہ کر غم جو دُنیا کی دولت ہے کم
کہ نعم البدل ہیں علوم و حِکم
قناعت ہیں سُستی سے کر احتراز
سکوں اور غفلت ہیں کر امتیاز
جو سُستی نے بدلا قناعت کا بھیس
تو اک دن ہمارا اجاڑے گی دیس
طمع کے نہ تو دامِ زرّیں ہیں پھنس
ہنسے تجھ پہ دُنیا تو دُنیا پہ ہنس
طمع کی جو ہنڈیا پکاتا رہے
وُہ جلتا رہے بڑ بڑاتا رہے
نہ گھبرا کے دامانِ شب چاک کر
کہ سُورج تو نکلے گا وقتِ سحر
جو دل ہیں تمہارے ہوا گم سکوں
تو پاؤ گے باہر نہ پھر تم سکوں

نہ حالات بدلیں خیالات سے
بدل دو خیالات حالات سے

طمع

طمع روگ ہے اور لالچ مَرض
کہ اندھا بناتی ہے اپنی غرض
طمع زر پرستی سکھاتی رہے
طمع دل کے ایواں کو ڈھاتی رہے
طمع دل کی خامی کا احساس ہے
طمع تیرے اندر کا افلاس ہے
طمع ہی سے پھنستی ہے مچھلی سدا
کہ طُعمے کے نیچے ہو کانٹا لگا
حریصوں کا جائے کہاں اضطراب
بُجھاتی نہیں پیاس موتی کی آب
حریصوں کو چھوڑے نہ دولت کا پھیر

کہاں آگ ایندھن سے ہوتی ہے سیر
ہوس جب کہ سونے کی کانیں دکھائے
تو انساں پہاڑوں کو سر پر اُٹھائے
ہوس سیر تجھ کو کرے کس طرح
کہ چھلنی میں پانی بھرے کس طرح
اناروں کی صورت نہ دانے سمیٹ
اسی سے اناروں کا ہو چاک پیٹ
طمع لے کے اوروں کے در پر نہ جا
تُو غیروں کی چوکھٹ پہ ٹھوکر نہ کھا
طمع کی ذرا باگ رکھ کھینچ کر
ہوس کے کبوتر کو پر قینچ کر
زمانے کی دولت سے گھر اپنا بھر
تو پھر بھی نہ ہو سیر تیری نظر
لگا ہو نہ دھندا اگر پیٹ کا
تو دُنیا میں کیا کام السبٹ کا
نہ حاصل میں پڑ جائے قسمت کا پیچ
ہرن صید ہو جائے تب کھال بیچ

لگا دیکھنے اُونٹ سینگوں کے خواب
تو کانوں سے بھی اُس نے پایا جواب

اگر دو شکاروں کا پیچھا کیا
تو اِک کھو دیا ایک جاتا رہا

رہے آن پر جو فدا۔ مرد ہے
مرے نان پر جو وہ نامرد ہے

دلِ مطمئن سے ہوس نے کہا
تِرا گھر اُجاڑوں دلائے گا کیا

کہا دل نے جب تو نے چھینا سکوں
تو پھر کیا رہیگا جو میں تجھ کو دُوں

ہوا وہ ہوس کا نہیں جو غلام
وُہی ہے شہنشاہِ دارالسلام

تکبر

۱ تکبر کے دو وصف ہیں آشکارہ

کہ بڑھ جائیں دُشمن تو گھٹ جائیں یار
بڑے بول والے کا کھُلتا ہے پول
دکھا دے ہُنر اور مُنہ سے نہ بول
طبیعت جس انساں کی ہو خود پسند
پسند اُس کو کرتے ہیں کم ہوشمند
خودی نے ہر اِک کو دلایا یقیں
کہ تیرے برابر کوئی بھی نہیں
جو پہلے تو ہو گرم آخر ہو نرم
غرور آگے تو پیچھے ہو شرم
غرور اہلِ بینش کا آئیں نہیں
نگاہیں جہاں بیں ہیں خود بیں نہیں
خودی ہو نہ جس سر میں عالی ہے وُہ
ہوا سے بھرا ہو تو خالی ہے وُہ
نہ پدی کی مانند اِترائے وُہ
کہ جس ڈال پر بیٹھوں جُھک جائے وُہ
نہ تم حد سے خود کو بڑھانا کہیں
بھرَم کھُل گیا تو ٹھکانا نہیں

10 اکڑنے سے ناحق کو ٹوٹے گا سر
اگر در ہے نیچا تو جھک کر گذر
11 اگر اپنی تعریف میں بولئے
تو میزانِ انصاف میں تولئے
12 مصیبت میں خود کو گرایا تو کیا
جو سر کٹ گیا سر جھکایا تو کیا
13 اگر حال بدلے نہ بدلے خیال
رہے بُو امیری کی چالیس سال
14 اپنے جا نشیں گو بزرگوں کے ہم
رہے خاک پر مثلِ نقشِ قدم
15 ہمارے جو دادا نے کھایا تھا گھی
تو ہاتھوں میں باقی ہے خوشبو ابھی
16 کہیں تخت والوں کے تخت اُڑ گئے
بلندی رہی اور بخت اُڑ گئے
17 مچاؤ نہ عیشِ گذشتہ کا شور
کہ ممکن ہے جنگل میں ناچا ہو مور
18 یہاں ڈینگ کو کامگاری نہیں

وُہ کُتّا جو بھونکے شکاری نہیں
ڈراوا نہ خالی دونالی سے دو
بھری سے ڈرے ایک، خالی سے دو
جو پھُنکارتے ہیں وُہ ڈستے نہیں
گرجتے ہیں جو وہ برستے نہیں

کفایت شعاری

۱ جو دولت کو محنت کماتی رہے
کفایت شعاری بچاتی رہے
کفایت شعاری کرے جو بشر
نہ جائیں اُسے چھوڑ کر سیم و زر
کفایت غریبوں کی ٹکسال ہے
جو مُسرف ہے آخر وہ کنگال ہے
کفایت سے گر ایک پیسہ بچاؤ
وُہ بہتر ہے اس سے اگر دو کماؤ

کرے جُز رسی سے بسر دُور بیں
کہ کم خرچ آخر ہو بالا نشیں
جو تھوڑا ملا ہے تو سارا نہ چکھ
کہ تھوڑا سا کھا اور تھوڑا سا رکھ
کمایا تو تم نے کیا خوب کام
بچایا تو سب میں ہوئے نیک نام
ملے گا جو تھیلی میں ڈالو گے تُم
نہ ڈالو تو پھر کیا نکالو گے تُم
سمجھ سوچ کر اپنی گذران کر
جو پینا ہے پانی تو پی چھان کر
سمجھ بوجھ کر چل جو تھوڑا ہے زر
بہت جلد مُنڈتا ہے گنجے کا سر
جو روٹی مُیسّر نہ ہو فالتو
تو کُتّا نہ پھر پالتو پال تُو
جو تھیلی ہر اِک کو دکھاتا رہے
تو مال اُس کا تھیلی سے جاتا رہے
نہ محتاط انساں کو پہنچے ضرر

کہ مضبوط در ہے تو محفوظ زر
نہ دُنیا کے ہوں کام دھن کے بغیر
نہ مُردہ بھی اُٹھے کفن کے بغیر
جو محنت سے اِنساں کمائے پچے
جو ہو مُفت کا مال لُٹّس مچے
خرد مند کی یاد تو پند رکھ
کہ تھیلی کا اور اپنا مُنہ بند رکھ
جو ہے کَل کو اندیشۂ احتیاج
مناسب ہے اُس کا مداوا ہو آج
مرے ایک دن پیاس سے وہ جواں
جو پانی کو ہر روز کھودے کنواں
کواڑ اپنے کھانے نہ ہوں توڑ توڑ
تو عُسرت کا کچھ سوچ رکھ جوڑ توڑ
کما خوب لیکن نہ ہو کر ذلیل
بچا خوب لیکن نہ ہو کر بخیل

اِفلاس

۱ نہیں ایک صورت پہ مایہ کہیں
کہیں دُھوپ ہے اور سایہ کہیں
جلیں سب کے یکساں نہ دنیا میں دیپ
ملے اِک کو موتی ملے اِک کو سیپ
کہیں آنکھ پُر ہے کہیں جام پُر
غریبوں کے آنسو امیروں کے دُر
وہ اِنساں کہ پیسا نہیں جس کے پاس
لگے اُس کو میلا بھرا بھی اُداس
پھرے دن کو مفلس کہ روزی کمائے
تونگر پھرے تا کہ روٹی پچائے
بڑے جاہِ ذاتی کو روتے پھریں
تو چھوٹے چپاتی کو روتے پھریں
اگر شب کو فاقے رہیں سو فقیر
کہیں جا کے تب سیر ہو اک امیر

زر ہے زور والوں کو غلبہ یہاں
کہ چھوٹی کو کھائیں بڑی مچھلیاں
ملے زر سے قوّت تو زر سے تمیز
خزانے ہیں جس کے وہی ہے عزیز
تموّل سے ہوتی ہے عزّت یہاں
جریبوں سے بنتی ہے شہرت یہاں
بھرے ہی کو بھرتی ہے دُنیا مدام
سمندر کو جاتے ہیں دریا تمام
امیروں کے ہو جائیں سب کام ٹھیک
سُنہری کٹوری کی چوکھی ہو بھیک
جو دولت ہو گھر میں تو چلتا ہے زور
کہ پانی کے بل پر ہے مینڈک کا شور
زمانہ امیروں کا وصّاف ہے
اگر اشرفی ہے تو اشراف ہے
نہ عُسرت میں چمکے گا روشن دماغ
کہ جلتا نہیں مفلسی کا چراغ
غریبی مسرت کو لیتی ہے چھین

جو ہو پیٹ خالی بجے گی نہ بین
۱۷. سبھی سب مصیبت میں جائے نکل
رہے گا نہ بھٹی میں لوہے کا بل
دُعائیں غریبوں کی لے کر جیو
غریبوں کا بھی جامِ صحت پیو
کرو آہِ مظلوم سے تم حذر
کہ چیونٹی کی آواز ہے عرش پر
غریبی میں رہ کر امیری کرو
امیری کے اندر فقیری کرو

قرض

جو اوروں کے پیسوں سے بھاری ہے جیب
تو سمجھو کہ خالی تمہاری ہے جیب
اُسی کا ہے بازار جو لے کے دے
گھر اُس کا جو اوروں سے قرضہ نہ لے

عجب زندگی اُس کی ہے واہ واہ
نہ اپنے سوا جِس کا ہو قرضخواہ
نہ مانگے کسی سے نہ ہو ہائے ہائے
کمائے جوانی میں پیری میں کھائے
غریبوں کا بُھرکس نکالے گا قرض
اُمنگیں سبھی پِیں ڈالے گا قرض
کہ قرض اور دلدل میں دھنسنا ہے سہل
نِکلنا ہی مشکل ہے پھنسنا ہے سہل
سُکھی ہے وُہی جو نہ مفروض ہو
کہ لینا نہ ایک اور دینا نہ دو
تقاضے کے ہاتھوں نہ جینا ملے
تقاضے کا حُقّہ نہ پینا مِلے
بہانے بناتا رہے قرضدار
کہ ہے جھُوٹ مقروض کے سر سوار
نہ کھا کھا کے قرضوں کا انبار کر
نہ قبر اپنی دانتوں سے تیار کر
جو لینا ہو ایک اور دینا سَوا

تو چُولھے پہ رکھ چھوڑ ٹھنڈا توا
بلا سے اگر خود کو لینا نہ ہو
امیری یہی ہے کہ دینا نہ ہو
روپے کے اگر ہوں نہ معلوم دام
کہیں سے اُسے مانگ لا قرض و وام
اُدھر سے دلایا ادھر سے دیا
جو ضامن ہوا اس نے گھر سے دیا
اندھیرا ہو یا دن نکلتا رہے
مگر سود ہر وقت چلتا رہے
جو پڑنے لگی سود کی اس پہ مار
تو مقروض ہونے لگا سنگسار
ہے سُورج کی کرنوں کا مقروض چاند
تو سُورج کے آگے وہ پڑ جائے ماند
اسی خوف سے بچ کے چلتا ہے وُہ
اندھیرے میں چھپ کر نکلتا ہے وُہ
دیا قرض جب دوستی میں کبھی
رقم بھی گئی دوستی بھی گئی

سمجھ تو بزرگوں کا یہ قول ٹھیک
کہ پہلے تو دے قرض پھر مانگ بھیک

اصلاحِ رسوم

1 ہے دانا کو ذوقِ فنون و علوم
تو جاہل کو شوقِ رواج و رسوم

2 سلامت روی ہے فراست کا تاج
جہالت کا آئین ہیں رسم و رواج

3 بُری رسم کا تُو جو پابند ہے
ترقی کا رستہ ترا بند ہے

4 بُری رسم سے بچ کے چل میری جاں
نہ گر اس میں گو باپ کا ہو کنواں

5 لنگوٹی میں جو پھاگ کھیلا کریں
وہ ہفتے میں نو روز میلا کریں

6 کریں مفلسی میں رئیسوں کی ریس

کماتے ہیں دس اور کھاتے ہیں بیس
گھڑی کی خوشی کو اثاثہ لٹائیں
چلم کے لئے جھونپڑے کو جلائیں
یہ ریشم یہ مخمل یہ رنگ اور راگ
بجھائیں غریبوں کے چولھے کی آگ
غریبی ہیں یہ جھمجھماتے جلوس
بدن پر لنگوٹی نہ چھپّر پہ پھوس
غریبی ہیں یہ جلوہ آرائیاں
مصیبت کے وقتوں ہیں شہنائیاں
وہ انجام کا جن کو احساس ہے
سمجھتے ہیں اسراف افلاس ہے
خردمند پھر مُنہ سے بولا کرے
وہ جیب اپنی پہلے ٹٹولا کرے
جو نشّے سے گلگوں ترا گال ہے
سمجھ لے طمانچوں سے منہ لال ہے
طبیعت جو گہنے پہ للچا گئی
تو گویا کہ خود عقل گہنا گئی

15 کرو مقدرت سے تجاوز نہ تم
پروں سے بڑھا کر نہ پھیلاؤ دُم
16 تبھی تک ہے لطفِ شراب و کباب
نہ ہو خرچ کا اُس کے جب تک حساب
17 نہ اسراف سے نام دائم رہے
ہے شہرت وہی جو کہ قائم رہے
18 سمجھ بُوجھ جاہل کو کم چاہیئے
فقط اُس کو جاہ و حشم چاہیئے
19 پڑیں پھیر جب آ کے کرتوت کے
تو سمجھو بنولے ہوئے سوت کے
20 غلامی سے رسموں کی آزاد رہ
ہے شادی یہی خرّم و شاد رہ

تصنّع و تکلّف

۱ کریں کیوں نہ ہر وقت بانکے سنگار

ہے کپڑوں پہ گُڑیا کا دارو مدار
بناوٹ کے خوبوں میں خوبی نہیں
ہے کاغذ کے پھُولوں میں خوشبو کہیں ؟
نگارشِ رُخِ گل پہ بیکار ہے
حسیں کے لئے غازہ اک عار ہے
بُزرگی نہیں شُستہ اطوار سی
بھلا ہاتھ کنگن کو کیا آرسی
یہ فیشن بھی دُنیا میں جنجال ہے
یہ لوگوں کی اِک بھیڑِیا چال ہے
اُس آقا کا گھوڑا رہے یا مرے
جو دانہ نہ دے بس کھرِیرا کرے
تُو بُلبل کے پنجرے کو کرتا ہے لال
تو کر لال پر اُس میں چوگا تو ڈال
جو فیشن ہُوا آج مقبولِ عام
کریں کل اُسے دُور ہی سے سلام
ہر اِک اگلے فیشن پہ ہنستا رہے
نیا جو چلے اُس میں پھنستا رہے

جو فیشن پہ کپڑوں کا ٹھیرا مدار
تو پہنو گے دس جب سلیں گے ہزار

اضافہ ہو پردے سے ناموس میں
رہے شمع چھپ چھپ کے فانوس میں

جو گُن ہی نہیں کیا بناوٹ سے کام
نہ دو بُوڑھی گھوڑی کو زرّیں لگام

کہیں لگ کے ٹھوکر نہ جائے اُچھل
بھرا ہے جو پیالہ تو ہموار چل

مہِ سادہ رُو سے جہاں میں ہو عید
کہ ہے سادگی قفلِ دل کی کلید

تصنّع جس انساں کا دستور ہے
منافق ہے وہ یا کہ مغرور ہے

تصنّع کرے تجھ کو فطرت سے دُور
تو رکھّے تکلّف محبت سے دُور

تری سادگی تیری تعریف ہے
تکلّف نہ کر اس میں تکلیف ہے

تکلّف سے ہونگے نہ دو دل بہم

بڑھے گر تکلّف تو اُلفت ہو کم
تکلّف سے ڈھانپو نہ سینے کا پول
چڑھاؤ نہ دل پر تکلّف کا جھول
تکلّف کو چھوڑو تکلّف ہے کھیل
تکلّف تکلّف میں چل دیگی ریل

ہمّت

جو ہمّت ہو بیڑا ابھی پار ہے
کہ ہمّت شجاعوں کا ہتھیار ہے
جو ہمّت نہ ہو آدمی ہیچ ہے
جو ہمّت نہ ہو راہ پُر پیچ ہے
جو ہمّت نہ ہو بے قراری رہے
جو ہمّت نہ ہو سوگواری رہے
جو ہمّت نہ ہو ہار جائے گا مرد
جو ہمّت نہ ہو جوش پڑ جائے سرد

5 کلمبس نہ پاتا نیا اِک جہاں
اُڑاتا نہ ہمّت کے گر بادباں
6 نہ ہمّت بڑھاتی سکندر کا دِل
تو کرتا نہ سر اِک جہاں متصل
7 پکڑ لیں جو ہمّت کے دامن کو خوب
نہ ہو راج میں اُن کے سورج غروب
8 جو دل جوش میں ہو خرد ہوش میں
تو پھر فتح و نصرت ہے آغوش میں
9 قفس توڑ مُنہ موڑ آرام سے
نِکل مغز کی طرح بادام سے
10 جو کرنا ہو کر لے مگر خوب کر
دکھا پَیر کر مجھ کو یا ڈُوب کر
11 ہو بارِ مصیبت تو ہمّت سے ٹال
نہ ہلکا ہو مُردہ کترنے سے بال
12 جو ہمّت ہو پھر کیا اسیری کا ڈر
کہ ٹُوٹے گا انڈا جو نِکلیں گے پر
13 جو بازو میں ہمّت ہے دکھلائے جا

لڑھکتا ہے پہیّہ تو لڑھکائے جا
پہنچنا ہے گر تجھ کو دریا کے پار
تو پانی کے سینے پہ دو ہاتھ مار
ہے زنجیرِ پا موج کی ہر کڑی
کنارے پہ ہے کامیابی کھڑی
دکھا دو جو قدرت نے جوہر دیا
جلاؤ نہ مٹکے کے اندر دیا
ترقی کے زینے پہ چڑھتے چلو
زمانے کے ہمراہ بڑھتے چلو
تگ و دو میں ہے زیست کیسا سکوں
پھڑکتی ہیں نبضیں ہے چکّر میں خوں
جوانو تگ و دَو سے کچھ کام لو
اگر تیز دوڑو تو انعام لو
تگ و دو میں آرام ملتا رہے
وہ گہوارہ اچھا جو ہلتا رہے

شجاعت

شجاعت ہے شمشیر تسخیر کی
شجاعت ہے ہمشیر تقدیر کی

شجاعت سے آساں ہوں سب کاروبار
ملے گا کہاں بُزدلوں کو شکار

شجاعت سے انساں نہ ہو زیر دست
وہ مر جائے لیکن نہ کھائے شکست

شجاعت زرہ میں نہ شمشیر میں
شجاعت ہے اِنساں کی تخمیر میں

شجاعت ہے نیکی پہ مرنے کا نام
شجاعت بدی سے ہے ڈرنے کا نام

شجاعت کے توسن پہ انساں چڑھے
تو دنیا کی آنکھوں میں رُتبہ بڑھے

بہادر بدی سے کریں گے غزا
امیدِ جزا ہے نہ خوفِ سزا

8 کریں پاؤں شیروں کی مونچھوں سے صاف
تو مُنہ سے نکالیں نہ لاف و گزاف
9 بہادر جو ہیں جھوٹ بولیں وہ کیوں
نہ موتی صداقت کے رولیں وہ کیوں
10 جوانمرد دیکھے مہورت نہ فال
کہ قسمت کا ہے زائچہ اُس کی ڈھال
11 اگر جنگ میں پیٹھ جا کر دکھاؤ
تو کس کام آئے گا مونچھوں کا تاؤ
12 نگیں کی طرح نام ہی سے ہو کام
تو پھر رُو سیاہی ہیں اُلٹا ہو نام
13 شجاعوں کی ہے موت بھی زندگی
نہ ہو ان کو مرنے سے شرمندگی
14 تہوّر ہے اندھی شجاعت کا نام
یہ گھوڑا ہے ٹوٹی ہو جس کی لگام
15 بہادر اُٹھاتا ہے قسمت کی باگ
مگر بھاگ جاتے ہیں بُزدل سے بھاگ
16 سکوں میں شجاعت نمایاں نہ ہو

سبھی ناخدا ہیں جو طوفاں نہ ہو
نہ بُزدل کو تلوار دو تم نہ ڈھال
ہرن کو نہ پہناؤ چیتے کی کھال
بہادر کو ہے زندگانی خوشی
جو بُزدل ہو کرتا رہے خودکُشی
چلے گھر میں جن بُزدلوں کی زباں
لڑائی میں ہو اُن کی ایڑی میں جاں
جو ظالم ہو کمزور و بے بس پہ شیر
سمجھ اس کو بُزدل نہیں وہ دلیر

غم و مُسرّت

خوشی زندگی ہے تو غم موت ہے
ڈرے جو اُسے ہر قدم موت ہے
خوشی سے گذارو نہ ہو تم ملول
وُہی شاخ اچھی کھلیں جس میں پھُول

خلش ہی خلش ہے غمِ بیش و کم
کہ باقی جو دم ہے تو باقی ہے غم
بظاہر تو اِنساں ہی روٹی کو کھائے
مگر روٹی انساں کی بوٹی کو کھائے
پراگندہ روزی نہ ہو مطمئن
وُہ چکّر میں پھرتا رہے رات دن
رہٹ کی طرح کام کرتا رہے
مصیبت کا بھرنا ہی بھرتا رہے
جو غم کا ہو غلبہ نہ کر آہ آہ
تُو فطرت کی آغوش میں لے پناہ
مہ و مہر کو دیکھ تاروں کو دیکھ
تُو فطرت کی رنگیں بہاروں کو دیکھ
کرن مہر کی مُسکرائی جہاں
ہُوئی آ کے بادِ صبا گلفشاں
طیورِ چمن چہچہانے لگے
گُل و لالہ سب لہلہانے لگے
مسرّت ہے لہروں کی ہر چال میں

تو انساں نہ کیوں خوش ہو ہر حال میں

12 حبابوں کی صورت نہ دم اپنا توڑ
پہنچ کر لبِ جُو نہ کاسے کو پھوڑ

13 مسرّت کو رکھ زندگی کا اُصول
کہ سب پھینک دیتے ہیں مرجھائے پھول

14 ہے راحت کے ہمراہ آزار بھی
کہ ہر پھول کے ساتھ ہے خار بھی

15 غموں کو خوشی سے چھپاتے چلو
مزاروں پہ گلشن کھلاتے چلو

16 گلوں کی طرح ہنس کے جیتے رہو
سدا خونِ دل اپنا پیتے رہو

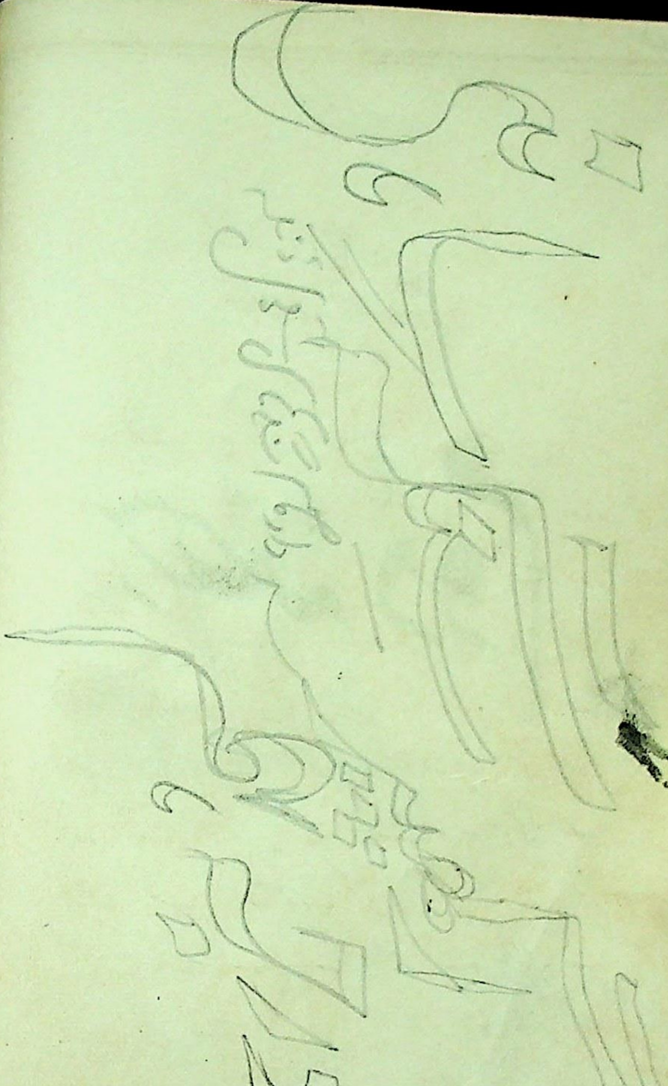
17 جو غمگیں ہو آخر وہ ہو شادماں
کہ بادل کے پیچھے کھلے آسماں

18 شکستہ جو شیشے ہوں انگور کے
چھلکنے لگیں جام بلّور کے

19 جو ہیں پست فطرت رہیں بے قرار
کہ سر کو پٹکتی رہے آبشار

جو غمگیں رہے عقل سے دُور ہے
کہ دانا وُہی ہے جو مسرور ہے

حصّۂ دوم



Raghbir Singh

صداقت

صداقت پہ اِنساں رہے برقرار
صداقت پہ ہے نیکیوں کا مدار
صداقت کی پاکیزہ فطرت ہے نور
اسی نور سے ہے جہاں کا ظہور
صداقت کی ہو کیوں نہ عالم میں دھوم
صداقت ہے جانِ فنون و علوم
صداقت ہو اِخفا سے ہر دم نفور
چھپے کب شعاعوں کی چلمن میں نور
محبت کے لب سے صداقت کی بات
سُنو تو ملے لطفِ قند و نبات
اگر بات سچّی نہیں لب نہ کھول
ذرا بات کو تول پھر مُنہ سے بول

کہ جو حرف تیری زباں سے گیا
وہ اِک تیر ہے جو کماں سے گیا
قدم لڑکھڑائے تو لیں گے سنبھال
زباں لڑکھڑائی تو بچنا محال
حقیقت میں انسان وُہی نیک ہے
کہ جِس کی زباں اور دل ایک ہے
زباں کی جو دل تک رسائی نہیں
لڑائی ہے گھر میں صفائی نہیں
زباں پر اُگائے نہ قدرت نے بال
سخن تا کہ ہو صاف بے قیل و قال
بدلتے ہیں سو بھیس مکر و فریب
مگر سچ کو عریاں تنی سے ہے زیب
اگر بات سچّی نہ لب سے کہیں
تو اندر ہی اندر کچوکے لگیں
جہاں ہونے لگتی ہیں سرگوشیاں
وہاں سچ کرے کیوں نہ رو پوشیاں
ہوں جھوٹوں کو مطلوب جھوٹے گواہ

کہ سچّوں کو کافی ہے سچّی نگاہ
نہ دان اُس دھنی کا کسی کام آئے
کہ بولے تو جھوٹ اور مندر بنائے
تھو چکنی باتوں سے تُو کامراں
جو چکنے ہوں چاول اُگیں وہ کہاں
منافق کی خِلقت میں ہوتا ہے پھیر
وُہ آدھا ہے تیتر تو آدھا بٹیر
منافق صداقت سے رکھتا ہے جنگ
کہ گِرگٹ کی صورت بدلتا ہے رنگ
تم ایسے منافق سے رکھو نہ کام
بغل میں چھری مُنہ میں ہو رام رام

تواضع

تواضع سے دُنیا کا چلتا ہے کام
کہ جُھکتا ہے مِینا تو بھرتا ہے جام

تواضع سے ہو دل میں انساں کے گھر
تواضع سے کھُل جائیں سینے کے در
تواضع سے جھُکنا جسے عار ہو
وُہ مغرور سر بر سر دار ہو
تواضع تِری شہد و انگور ہے
تبختر تِرا نیش زنبور ہے
تواضع سے جھُک کر مِلے جو مدام
وُہ آزاد انساں کو کر لے غلام
تواضع کا ابرو میں ہوتا نہ خم
تو آنکھوں پہ اُس کو بٹھاتے نہ ہم
جو مِلنے کا عنواں ہو چینِ جبیں
تو اُلفت کا مضمون اچھا نہیں
تہی مغز رکھّے گا اُونچا ہی سر
جو پلّہ ہو بھاری جھُکے خاک پر
اکڑتا ہے وُہ جس کی ہو طبع خام
کہ جھٹ اینٹھ جائے جو کچّا ہو چام
نہ لے اُس سے نعمت جو مغرور ہے

محبّت کی روکھی بھی منظور ہے
یہ تاجر نے خادم سے اپنے کہا
کہ آمد خوشامد سے ہوگی سوا
جو تلخی گوارا نہ ہو میری جاں
تو لازم ہے رکھ مُنّہ میں شیریں زباں
تناور درختوں کو آندھی گرائے
مگر گھاس جُھک کے خود کو بچائے
جو عظمت میں بھی انکساری رہے
تو اِنساں ہزاروں پہ بھاری رہے
نہ پتّھر پہ سبزہ اُگے گا نہ پھُول
بہار اُس پہ آئے جو ہو پس کے دُھول
غریبوں کی دولت ہے شائستگی
امیروں کی زینت ہے شائستگی
جُھکے گا وُہی جس میں کچھ جان ہو
اکڑ خاص مُردے کی پہچان ہو
جُھکی ہے جو محراب جُھک جائیے
رُکی ہے جو دیوار رُک جائیے

مہِ نَو کی صورت جُھکے جو سعید
اُسے دیکھ کر سب کو ہوتی ہے عید
خمِ آسماں کا نظارا کرو
زمانے میں جُھک کر گذارا کرو

ہمدردی

جو دل میں ترے غمگساری نہیں
تری بات پھر کوئی پیاری نہیں
اگر پیکرِ لطف و احساں ہے تو
تو سمجھیں گے انساں کہ انساں ہے تُو

جو دل سوز ہے اور ہمدرد ہے
ہزاروں جوانوں میں تُو مرد ہے
جو شفقت کا آنسو ہے رخسار پر
تو رحمت ہو چشمِ گُہر بار پر
مُروّت کا آنسو ہے، پیارا ہے یہ

محبّت کی آنکھوں کا تارا ہے یہ
گرے کو کچل جائے ہر ایک شخص
اُٹھاتا ہے اُس کو مگر نیک شخص
نہ اندھے کو اندھے کنوئیں میں دھکیل
جو ڈُوبا ہو اُس پر نہ پانی انڈیل
جُھکا ہے اگر ضعف سے ناتواں
کمر سے اُٹھا اُس کو مثلِ کماں
نہ تو نان ہی نذرِ درویش کر
جو پہلو میں دل ہے تو دل پیش کر
ہیں غربت کی تنہائیاں جاں گِسل
مزا ہے جو ہو دل کے ہمراہ دِل
محبّت کا پُل ہو جو آراستہ
تو پھر دل کو دل سے ملے راستہ
جو دو دِل کہیں بانٹ لیں بارِ غم
تو ہلکے ہوں دل اور ہو بار کم
جو سینے میں دل سے ملے دل کا تار
تو ہو شعلۂ زندگی آشکار

اکیلا پہنچنا جو چاہے بہشت
بہشت اس کو دھتکار دیگا کہ "ہشت"
نہ بھلاؤ صاحب سلامت کے ساتھ
حمایت کرو استقامت کے ساتھ
دکھاؤ نہ جب تک جوانمردیاں
یہ ہمدردیاں سب ہیں سردردیاں
جو ہو خلق راضی ریاضت ہے یہ
اگر نرم ہو دل عبادت ہے یہ
وُہی بات جس سے تجھے رنج ہو
نہ کر مجھ سے شاید مجھے رنج ہو
نہ چاہے کسی کا جو کرنا بھلا
تو اُس بے مُروّت کا مرنا بھلا
جسے ہو فقط اپنے مطلب سے کام
غلاموں کا سمجھو اُسے تم غلام

احسان

جو تنکا اُتارے کا احسان ہو
تو بھولے نہ اُس کو جو انسان ہو
فراموش احساں نہ انساں کرے
وُہ محسن پہ جاں تک بھی قرباں کرے
تلطف سے انساں رہے شاد کام
کہ حلوے سے بہتر ہے شیریں کلام
نگہ میں زبانیں ہیں احسان کی
تو کانوں میں آنکھیں ہیں ایمان کی
دل احساں سے انساں کا سر کیجے
تبسّم سے سینے میں گھر کیجے
مروّت ہمیشہ جُھکائے گی آنکھ
کہ کھائے گا مُنہ تو لجائے گی آنکھ
مروّت کا جادو جہاں گیر ہے
کہ احسان سونے کی زنجیر ہے

رہے نیک دل مہربانی میں خوش
کہ پانی کی مچھلی ہو پانی میں خوش
بدی کے عوض جو کرے گا بھلا
نہ دوزخ کو جانے وہ ہے کیا بلا
کوئی کاٹنے کو بھی آئے درخت
تو سائے میں اُس کو بٹھائے درخت
اگرچہ بھلے کا زمانا نہیں
بھلا کر، نہیں تو ٹھکانا نہیں
بھلائی کا بدلہ دیا گر بھلا
کیا قرض ہی تو نے سر سے ادا
لگی ہے ترے سر میں پھولوں کی دھن
تو اک سوکھے پتّے کی آہٹ بھی سُن
مدد کر گدا کی ضرورت نہ پوچھ
کفن ہو جو سینا صورت نہ پوچھ
غریبوں کے کام آئے سو نیک ہے
امیروں کا ساتھی تو ہر ایک ہے
کھرے سے کھراپن تو کھوٹے سے کھوٹ

ہے ادلے کا بدلہ برابر کی چوٹ
نہ احسان اِنسان کو یاد آئیں
کہ کھائی ہُوئی روٹیاں بھُول جائیں
جِسے موڑ سکتا ہے اُس کو نہ توڑ
کہ ٹوٹا ہُوا کھائے مشکل سے جوڑ
عمل جِس کا خدمتگذاری رہے
وُہ مرکر بھی زندوں پہ بھاری رہے
محبّ خلائق کی تعظیم کر
کرم جو کرے اُس کی تکریم کر

صحبتِ بد

رذیلوں کی صحبت سے پُہنچے گزند
بلندوں کی اُلفت کرے سر بلند
بدوں سے بچو صحبتِ بد ہے قہر
کہ ہو بس کے مِلنے سے امرت بھی زہر

بُروں کی ہیں ساری ہی باتیں بُری
اگر دن بُرے ہیں تو راتیں بُری
ہمیشہ بَدوں کے بچو میل سے
نہ تم اپنا دامن بھرو تیل سے
حماقت سکھائے گی احمق کی عقل
تو بھینگا بنائے گی بھینگے کی نقل
جو سمجھو ضروری بُرے کا علاج
بُرے سے ہے دُوری بُرے کا علاج
تُم ان سے بچو سانپ ہیں اہلِ شر
کہ کاٹا اِدھر اور پلٹے اُدھر
ہو بدنام انساں رذیلوں کے ساتھ
اگر بھاڑ لیپیں تو کالے ہوں ہاتھ
تعلق سدا من کو بھاتا رہے
بُرے سے نہ جَو بھر کا ناتا رہے
بُرا تو نہ ساتھی نہ چیلا بھلا
بُرے دوستوں سے اکیلا بھلا
چماروں کا ہمسایہ بد بو سہے

تو گندھی کا کوچہ معطّر رہے
نہ لو گود میں کلبِ ناپاک کو
کہ ناپاک کر دے گا پوشاک کو
گدھے سے اگر مل کے کھیلوگے تم
تو وُہ پیار سے مُنّہ پہ مارے گا دُم
الگ ہوں تُنک ظرف سے سرفراز
نہ پایاب پانی میں تیریں جہاز
سواری ہے اِکّے کی جاہل کی رائے
کہ پیسے بھی دے اور جھٹکے بھی کھائے
سمجھتی ہے دُنیا جنہیں ہوشیار
یہ اندھوں کی اِک جا رہی ہے قطار
کرے گی اثر جتنی صحبت بڑھی
پڑھے گھر کی بِلّی بھی ہوگی پڑھی
جو پھُولوں میں چیونٹی بھی لیگی پناہ
تو شاید اُٹھا لے اُسے سر پہ شاہ
بَدوں کا رہے گا بَدوں ہی سے میل
ہو جوگی کے لڑکے کا سانپوں سے کھیل

ہوں کونجوں میں کونجیں تو موروں میں مور
رہیں ساہ سہا ہوں ہیں چوروں میں چور

دوستی

جو نیکی سے مل جائیں دو دل کہیں
تو اُس سچی اُلفت کو صد آفریں
ہر اِک دوسرے کے لئے ہو ستی
نبھے دوستی جب ملیں دو ستی
دو قالب ہوں یک جاں تو کہلائیں دوست
کہ ہوں جیسے بادام دو ایک پوست
جو ساتھی ہو روٹھے نہ چھوٹے کبھی
وہ کر دوستی جو نہ ٹوٹے کبھی
ملیں یار یاروں سے جیسے کواڑ
پہاڑوں سے ملنے نہ آئیں پہاڑ
نہ تم دوستوں کو نچوڑو بہت

نہ تار ارغنوں کے مروڑو بہت
کھرا دوست فوراً چکائے حساب
کہ اُلفت کے شیشے کی جائے نہ آب
بدل جائے پل میں نہیں اُس کے پاؤں
کہ اوچھے کی اُلفت ہے بدلی کی چھاؤں
بہت اپنے مطلب کے غمخوار ہوں
جو جھک کر ملیں سب کہاں یار ہوں
ہو مطلب کے بندوں کو مطلب سے پیار
جو پیسے کے ہوں یار کیسے ہوں یار
یہ مطلب براری نبھے کب تلک
یہ ہنڈیا کی باری مبھے کب تلک
گلا جو خوشامد سے پھاڑا کریں
تو روٹی کی وہ خاک جھاڑا کریں
خوشامد پہ جو شخص انعام دے
تو گویا ہوا کے بھی وہ دام دے
ہتیلی پہ پانی ہتیلی پہ آگ
یہ ہو جس کی خو بھاگ ایسے سے بھاگ

کریں دوستوں کی ثنا اہلِ ہوش
رہیں اپنے دشمن کے حق میں خموش
رفیقوں کی تعریف جلوت میں کر
جو تادیب کرنی ہو خلوت میں کر
اگر یار ہو مثلِ شبنم ملول
تو لے اُس کو آغوش میں بن کے پھُول
ضرورت ہے دلسوز غمخوار کی
نہیں مجھ کو حاجت پرستار کی
مرا دوست وہ جو مرے کام آئے
نہ وہ جو فقط چار آنسو بہائے
وسیلے میں ہے کامیابی کا گُر
مربّی بیار و مربّا بخور

مُحبّت

محبّت نہیں ہے تو عالَم ہے قہر

اگر ہوں نہ غمخوار صحرا ہے شہر
محبّت سے جی خود بخود جائیں ہل
کہ انساں کے ہے دل کا آئینہ دل
محبت مروّت کی ٹکسال ہے
جو دل دے دیا مال کیا مال ہے
محبّت ہے فردوسِ ہستی کا پھل
محبّت گُلِ زندگی کا عسل
کہاں سیم و زر ہے محبّت کا مول
محبت ملے گی محبّت کی تول
انوکھی ہر اِک پیت کی ریت ہے
یہاں دل کو ہارو یہی جیت ہے
محبت میں عُجلت نہ دکھلائے مرد
جو تپ جائے فوراً وُہ فوراً ہو سرد
لگی ہے محبّت کی سینے میں لاگ
تو اچّھا ہے، اچّھی ہے چولھے میں آگ
جو دل میں لگے ہوں محبت کے پر
گھڑی میں کٹے گا دنوں کا سفر

یہ تنکے سے کہنے لگا کہربا
محبّت ہو تھوڑی مگر دیر پا
محبّت کا شیشہ جو ہو جائے دو
تو جُڑ جائے لیکن وُہ ثابت نہ ہو
لگی کو نہ توڑے گی طبعِ سلیم
کہ ٹوٹی کی بُوٹی نہ جانے حکیم
کرو سب پہ قابو محبت کے ساتھ
ڈرانے سے آئیں پرندے نہ ہاتھ
محبت میں تلخی گوارا ہو کب
جو پڑ جائے تُرشی پھٹے دودھ سب
جہاں پھُوٹ شکل اپنی دکھلائے گی
وہاں اینٹ سے اینٹ بج جائے گی
غرض جس کی اُلفت میں پنہاں نہیں
سمجھ لو فرشتہ ہے انساں نہیں
سر آنکھوں پہ احبابِ غمخوار ہیں
کہ آنکھوں پہ پلکیں کہاں بار ہیں
نہ ہو سازِ ہستی میں الفت کا تار

تو ہو نغمۂ زیست کب خوشگوار
یہ ہے شمع کی جلوہ ریزی کا راز
زباں پر ہے سوز اور دل ہیں گداز
بس اب میان میں اپنی شمشیر کر
محبت سے دُنیا کو تسخیر کر

وَفا

محبّت میں انساں نہ چھوڑے وفا
وفا گر نہیں تو محبّت ہی کیا
بہادر ہے جو باوفا مرد ہے
کہ جو بے وفا ہے وہ نامرد ہے
نہ ہو ذرّے ذرّے میں جذبِ وفا
تو اُڑ کر دُھوئیں اِک جہاں ہو فنا
وفا کی کشش سے ہے انجم کا میل
نہیں تو بگڑ جائے قدرت کا کھیل

وفا کے کرشمے ہیں شام و سحر
وفا سے کھچے آئیں شمس و قمر
وفا کی جو خوبی سے انجان ہے
تو کُتّے سے بدتر وہ انسان ہے
وفا ہی تجھے سرفرازی دکھائے
وہ محمود ہے جو ایازی دکھائے
اگر تیرے دل میں وفا ہی نہیں
سمجھ لے تجھے دل ملا ہی نہیں
رفاقت محبت اخوت وِلا
رہیں ناکمل نہ ہو گر وفا
کرے سو طرح آسماں تجھ سے چال
وفا سے نہ ہٹ مثلِ قطبِ شمال
یہ کہنے لگا مُرغِ قبلہ نما
کشش ہے اُسی میں، ہے جس میں وفا
زمیں و زماں گرچہ بدلیں ہزار
وفادار کا دل رہے استوار
محبّت سے یوں رشتہ جوڑے کوئی

بجز موت اُس کو نہ توڑے کوئی
وفا ہی نہیں زر سے جو ہاتھ آئے
جو زر سے ملے زر کے ہمراہ جائے
نبھائے نہ جو اپنے پیمان کو
گنوائے گا وہ مفت احسان کو
وُہی مُنہ کہ جس منہ سے تم پان کھاؤ
اُسی مُنہ سے پھر کوئلے کیوں چباؤ
وطن سے وفا دوستوں سے وفا
کرو تو ملے زندگی کا مزا
وفادار اپنی وفا کو نبھائے
مصیبت پڑے تو بھی لغزش نہ کھائے
نہیں سنگدل باوفا ہے کپاس
مرے کا کفن ہے جیئے کا لباس
کریں اصل والے نہ ہرگز خطا
جو کم اصل ہیں اُن سے کم ہو وفا

رواداری

تنوّع سے ہے زندگی کی بہار
کہ وحدت سے کثرت ہوئی آشکار
جُدا سب کی صورت جدا رُوپ رنگ
جُدا سب کی فطرت جُدا سب کا ڈھنگ
روش بھی جُدا رہنما بھی جُدا
خُدا بھی جُدا ناخدا بھی جُدا
جُدا سب کی باتیں جدا سب کے حال
جُدا سب کے دل اور دل کے خیال
جُداگانہ ہر اِک کا مقدور ہے
کہ فطرت سے اِنسان مجبور ہے
ہر اِک اپنی چڑیا کو سمجھے ہُما
ہر اِک اپنے بُت کو بنائے خُدا
نہ اوروں کا ہو گر روادار تو
تو فطرت سے رکھتا ہے پیکار تُو

نہ فطرت کو بھاتا اگر اختلاف
تو ہوتا جہاں ایک مسلک پہ صاف
نہیں دَیر سے دُور راہِ حرم
یہی فاصلہ ہے قدم دو قدم
مَیں کعبے گیا یا کہ مندر گیا
شرارہ وُہی دل کے اندر گیا
اگر علم سیکھا ہے دکھلاؤ حِلم
نہیں ہے اگر حلم اوچھا ہے علم
مذاہب کی باتوں میں جھگڑو نہ تم
صداقت ہو تکرار و حجّت میں گُم
جو منوا بھی لی بات دکھلا کے زور
تو جاتا ہے اُس سے کہیں دل کا چور؟
جو خود شیشہ خانے کے اندر رہیں
وُہ اوروں پہ پتّھر نہ پھینکا کریں
اگر ایک جاہل سے لڑنے لگو
تو ثابت یہ ہوگا کہ جاہل ہیں دو
سمجھ سب کو بھائی اگر تُو ہے نیک

بنی نوع انساں کا کنبہ ہے ایک
نہ اِترا جو رنگت ملی لالہ گوں
رگوں میں ہے کالوں کی بھی لال خوں
چماروں کا رکھے وُہی رنیچ نام
کہ جس کے بدن پر منڈھا ہو نہ چام
دُکھاؤ نہ دل حرفِ تحقیر سے
ستاؤ نہ تحریر و تقریر سے
پیوٗ آپ اوروں کو پینے بھی دو
جیوٗ آپ اوروں کو جینے بھی دو

مساوات

برابر ہیں قانونِ قُدرت میں سب
غریب و شہنشاہِ عالی نسب
غریبوں پہ چمکیں نہ ہو ہو کے ماند
دل افروز سُورج دل آویز چاند

شہنشاہِ خوشرو، غلامانِ زِشت
اسی خاک سے ہے ہر اِک کی سرشت
فنا کی جو ہونے لگے دار و گیر
اُسی گھاٹ اُتریں امیر و فقیر
اُتر جائے گر تاجِ رخشاں کا جھول
تو کھُل جائے سب بادشاہی کا پول
وہ خلوت میں کرلے کبھی آہ بھی
کہ بچّہ ہے ماں کا شہنشاہ بھی
غریبوں کے گھر، خانۂ تاجدار
ہے دونوں پہ باراں کی یکساں بہار
نہیں کچھ بڑے اور چھوٹے کی قید
ہیں مرنے پہ یکساں سیاہ و سپید
کرے موت اِک وار میں پاش پاش
سکندر کی ہو یا قلندر کی لاش
ہُوئے جو نہ تسخیرِ عالم سے سیر
نہیں اُن کے مدفن پہ مٹّی کا ڈھیر
حقیقت ذرا ہوشمندی سے دیکھ

برابر ہیں سب گھر بلندی سے دیکھ
گدا کو بھی قدرت نے بخشا دماغ
اچھوتوں کے بھی ٹمٹمائے چراغ
نہ جھڑکو کہ مفلس بھی انسان ہے
جو تم میں ہے اس میں وُہی جان ہے
ہر اِک کو وُہی کبریائی مِلی
خودی بھی ملی خود نمائی مِلی
ہر اِک میں وُہی قُدس کی رُوح ہے
ہر اِک اپنے نزدیک ممدوح ہے
جو دُنیا کو سمجھو محبّت کا گھر
تو پھر بھائی بھائی ہیں سارے بشر
وہ دلشاد ہیں یا کہ ناشاد ہیں
سبھی ایک آدم کی اولاد ہیں
تولّد ہُوئے جب تو عُریاں ہُوئے
مرے جب تو مرکر بھی یکساں ہُوئے
اخوّت میں کیوں آئے دولت کا پاؤں
کہ دولت ہے اِک چلتی پھرتی سی چھاؤں

اخوت مساوات آزادگی
جڑیں کاٹ دیتی ہیں بیداد کی

عدل

چُکیں سارے جھگڑے جو انصاف ہو
کہ دھوکے سے کھاتہ کہاں صاف ہو
کسی کا بڑھے یا کسی کا گھٹے
نہ انصاف اپنی جگہ سے ہٹے
ہے انصاف بے کس کی امّید گاہ
عدالت سے مانگیں گے موذی پناہ
جو انصاف کرنا ہو کر بے خطر
صداقت عیاں کر جہاں سے نہ ڈر
کرے بات جس سے بھی توُ صاف کر
جو شیطاں بھی ہو اُس سے انصاف کر
نہ ہو اُس طرف توُ نہ ہو اِس طرف

اُدھر جُھک کہ انصاف ہو جس طرف
وُہ تیرا، جو تیرا ہو انصاف سے
وُہ میرا، جو میرا ہو انصاف سے
جو غُصّے کا ہو تیرے دل میں فتور
تو اِنصاف تجھ سے رہے دُور دُور
صداقت ہو دل میں تو دل صاف ہے
عمل میں صداقت یہ انصاف ہے
اگر عدل کرنا ہو کر عقل سے
عدالت چلے گی کہاں نقل سے
جو منصف ہے تو بھید دل کا نہ کھول
ذرا پہلے فعل اور نیّت کو تول
جو انصاف ہونا ہے کیوں دیر ہو
کبھی دیر ہونے سے اندھیر ہو
ترازو جو ہوتی ہے ظالم کے ہاتھ
تو سونا بھی تلتا ہے پیتل کے ساتھ
جو بھیڑوں کا منصِف بنے بھیڑیا
بچیں گی تو کر لیں گی آہ و بُکا

حکومت خریدے جو دے دے کے مول
وہ قانون بیچے گا سونے کی تول
جو رشوت ہیں پٹہ ملا پان کا
سمجھ ہوگیا خون ایمان کا
کیا جس نے رشوت سے حاکم کو رام
لیا اُس نے چاندی کے جُوتے سے کام
جو طبلِ تہی کو بجاتے ہیں آپ
لگے مُنہ ہیں آٹا تو اُونچی ہو تھاپ
ملے تجھ کو سونا ہمالہ کی تول
نہیں پھر بھی کچھ تیرے ایماں کا مول
حکومت ہو حق کی فراست وزیر
صداقت گواہ اور منصف ضمیر

ظلم

شریفوں کے دل کو ستاؤ نہ تم

رگِ گُل پہ نشتر لگاؤ نہ تُم
اُجڑ جائے گھر مردِ خونخوار کا
نہ ہو گا ہرا کھیت تلوار کا
اکڑ فوں ہیں جو عمر کاٹے مدام
ہے اِک سانپ جو خاک چاٹے مدام
گرے کو ڈپٹنا حماقت سمجھ
مَرے پر جھپٹنا رذالت سمجھ
یتیم اور مسکین ترسیں جہاں
تو اُوپر سے انگارے برسیں وہاں
بچیں آہِ مظلوم سے خاص و عام
شرر اِک جلا دے گا جنگل تمام
گرے برق گِر کر کسی کو فنا
تو خود بھی چمک کر وہیں ہو فنا
ستمگر سے ہو گا ستم آشکار
کہ شعلے سے حاصل نہ ہو جز شرار
ستمگر کو دولت نہ ہو سود مند
بھڑوں کا بچے گا نہ چھتہ نہ قند

ستمگر کو ملبوس زرّیں ملے
مگر موت بھی اس کو رنگیں ملے
بُرا ہے جو ظالم کو مل جائے زر
ستم ہے جو چینٹے کے لگ جائیں پر
یہ قانون سے ظلم کہنے لگا
مری ابتدا ہے تری انتہا
بڑوں تک ہی غُصّہ نہ محدود ہے
کہ مچھّر بھی غُصّے میں نمرود ہے
نہ غُصّے میں انساں رہے دُور بیں
کہ کہتے ہیں غُصّے کی آنکھیں نہیں
جو غُصّے میں ہے اُس کے قول و زباں
ہیں جلتے ہُوئے گھر کی شہتیریاں
جو قابو میں ہے آگ اچھے ہیں بھاگ
جو قابو سے باہر ہو بھاگ اُس سے بھاگ
جو غُصّے سے بچتا ہے فرزانہ ہے
کہ غُصّے میں جب تک ہے دیوانہ ہے
قصور اور کا ہو جو تیرے حضور

تو کر یاد ویسا ہی اپنا قصور
کچھ ایذا سے ملتا ہے جوہر کا بھید
جو اچھا ہو موتی کریں اُس میں چھید
جو دُنیا کے بندے ہیں یوں آئیں پیش
کہ مُنہ پر ہے نوش اور پیچھے ہے نیش

حَسَد

حَسَد اِک بلا ہے حسد ایک قہر
حسد آپ اپنا ہی پیتا ہے زہر
حسد کی نہیں یہ دل آزاریاں
جہنّم نے بھیجی ہیں چنگاریاں
حسد تیرے وصفوں کی تخفیف ہے
حسد تیرے دشمن کی تعریف ہے
حسد کی کماں سے جو نکلے گا تیر
وُہ حاسد کے دل پر لگے گا اخیر

نصیبہ پڑوسی کا کھلنے لگے
تو حاسد اسی غم میں گھلنے لگے
ہو سورج کی مانند روشن خصال
تو اس کو بھی حاسد بتائے زوال
سیہ شیشۂ دل کرے بے وقوف
کہ سورج کو ہو جائے شاید کسوف
تو شعلے زباں سے نکالا نہ کر
تو اپنے سے اونچے کو کالا نہ کر
نہ تو اپنے سینے میں کینے کو ڈھانپ
چھپا کر نہ رکھ خوانِ یغما میں سانپ
چغل خور جلّاد سے بھی برا
کہ جلّاد چھپ کر نہیں مارتا
ہو بے عقل کو عیب کوشی سے کام
خردمند لے چشم پوشی سے کام
ملے ہیں اگر پردۂ چشم و گوش
تو اوروں کا انساں رہے پردہ پوش
سفیدی گھروں میں اجالا کرے

جو چیونٹی ہو رخنے نکالا کرے
اگر سر سے اونچے کو چھیلو کھڑے
تو آنکھوں میں اس کا تراشہ پڑے
نہ تم عیب جوئی کے پھیلاؤ پر
نہ مکھی کی صورت گرو گھاؤ پر
ہے نکٹے کی خواہش کہ ہوں ناک گم
لنڈورا کہے سب کی اُڑ جائے دُم
لگی ہے جو حاسد کو دھن رات دن
تو کھاتا رہے جی کو گھن رات دن
مسافر سِر پُل گذرتے رہیں
جو کُتے ہیں عف عف ہی کرتے رہیں
جو اوروں کی خوبی پہ آتا ہے رشک
بڑھو تم بھی لیکن بہاؤ نہ اشک
اگر صاف آئینۂ سینہ ہو
تو دِل تیرا جلووں کا گنجینہ ہو

سخاوت

بھروسہ کسی کے نہ کر ساتھ کا
چلے ساتھ تیرے دیا ہاتھ کا
سخاوت مصائب کو دے گی پچھاڑ
کہ داتا کی کشتی چڑھے گی پہاڑ
نہیں خیر جاری کو دولت کا غم
کہ چلتے کنوئیں کا نہ پانی ہو کم
اُسی کا کرے کام اوروں کی تیغ
زر و مال سے جو نہ رکھّے دریغ
بخیل اپنے سونے پہ ڈالے گا خاک
سخی زر سے اپنی کرے خاک پاک
وُہی نہر جاری کا پانی بھلا
جو اوروں کی چکّی چلا کر چلا
سخی کو جو مل جائے پائے جہاں
جو چکّی میں آ جائے کھائے جہاں

نکلتا ہے مینا کے مُنّہ سے یہ حرف
کہ لے جائے جس جس کا جتنا ہو ظرف
کریموں کی باقی نشانی رہے
کہ بادل گُذر جائیں پانی رہے
سخاوت پہ اپنی نہ کرنا غرور
نہ اِترائے سُورج کہ دیتا ہے نور
جو پیسہ سلامیں کرا کے دیا
تو بخشش نہ کی تو نے سودا کیا
سخاوت نہیں زر لُٹانے کا نام
یہ حقدار کو ہے دلانے کا نام
کلی کی طرح ہے جو مٹھّی میں زر
دکھا ہاتھ گل کی طرح کھول کر
امیروں کا جھوٹا فقیروں کا مال
غریبوں کا لقمہ سخی کا اُگال
گرے مُنّہ سے ہاتھی کے تِنکا اگر
تو چیونٹی بچاری کا بھر جائے گھر
سخاوت نہیں قرضداروں پہ فرض

یہ ہے فرض پہلے ہو بے باق قرض
خفا وقتِ خیرات ہونا نہ تم
کہ بھُونے ہوئے بیج بونا نہ تُم
ملے زر تو رکھّو تواضع سے کام
کہ جُھکتی ہے ڈالی جو پھلتا ہے آم
کرو قدر اُس کی مخیّر ہو جو
غنیمت ہے جھاڑی جو صحرا میں ہو
مروّت کا گلشن ہرا ہی رہے
سخی کا خزانہ بھرا ہی رہے

بُخل

ہے نفرت کے قابل بخیلوں کی خُو
کہ آنے لگے بند پانی ہیں بُو
بخیلوں کی ہوتی ہے مٹّی خراب
وُہ کھاتے نہیں کچھ بجز پیچ و تاب

کریں پیٹ سے زندگی بھر اُدھار
کہ مرنے پہ کہلائیں وُہ مالدار
مکاں مال و دولت سے بھر جائینگے
وُہ دھر جائیں گے اور مر جائینگے
بھرا گرچہ خوانِ خور و نوش ہے
بخیل اُس پہ مانندِ سرپوش ہے
جو ممسک ہو کچھ بھید دل کا نہ دے
وہ سائل کو انڈے کا چھلکا نہ دے
بخیل اپنے ہاتھوں کا بخشے نہ میَل
وہ تِنکا نہ دے گو مرے اس کا بیل
گھسے وہ نہ جوتے کو ننگا پھرے
فقیروں سے بچنے کو فاقے رہے
اگر چکنی چپڑی پہ آ جائے جی
تو گز بھر سے دکھلائے لقمے کو گھی
جو مچھلی ہی کھانے پہ ہو التفات
تو دریا پہ کہنا "وہ مچھلی یہ بھات"
لہذا بھی رہے زر سے گو زر پرست

مگر رُوح بھوکی ہے دل فاقہ مست
بخیلوں کو جانو حقیر و فقیر
فقط اُن کے صندوق سمجھو امیر
جو دونو ہی دینے سے ناچار ہیں
تو یکساں بخیل اور نادار ہیں
ملے بیتے جی کس کو چینٹے کا بال
نہ افعی کا مہرہ نہ ممسک کا مال
جو دمڑی کے دینے سے چمڑی بچے
تو چمڑی چلی جائے دمڑی بچے
ہوس جمع کی ہے تو نقصان ہو
کہ چھتّا ذخیرے سے ویران ہو
کرے جوڑنے میں جو پیدا کمال
تو چقماق کی بھی اُتارے وہ کھال
جو ممسک کا دانہ چلی لے کے مور
تو شاید بھریگی اُسی کی یہ گور
رکابی کو آقا رہے چاٹتا
تو نوکر کھڑا ہونٹ ہے کاٹتا

جو کھا جائیگا یا نہ دے جائیگا
وُہ چھاتی پہ دھر کر نہ لے جائیگا

معاملات

کسوٹی نے زر ہی کی پہچان کی
مگر زر کسوٹی ہے اِنسان کی
رہی ساکھ جِس کی بچے اس کے لاکھ
گئی ساکھ جِس کی اُڑی اُس کی راکھ
تری ساکھ اچھی ہے اے نیک خو
تو اوروں کی دولت کا مالک ہے تو
جو اُکھڑی ہوا پھر کہاں آب و تاب
نہ بخیہ کئے سے سلے گا حباب
جو گھوڑے سے پھسلے سنبھالے زمیں
گرے جو نظر سے نہ سنبھلے کہیں
جو تکیے پہ آنسو گریں وقتِ شب

وُہ شہرت کے دھبّوں کو دھوئینگے کب
جو چاتر ہیں گو لاکھ پُرفن رہیں
ورق اُن کے باون تکے باون رہیں
دبائے جو حق چور اس کو سمجھ
جو لے کر نہ دے گور اس کو سمجھ
نہ بے سوچے سمجھے کہ اقرار تو
نہ لے مول ناحق کو تکرار تو
مناسب ہے کہنا "نہیں" بھی کہیں
کہ ستّر بلا ٹال دے اِک نہیں
زمانہ ہے یہ جس کا کچھ جائے گا
تو اُلٹا وُہی چور کہلائے گا
لڑو تو وکیلوں کے مُنہ میں پڑے
کہ لڈّو لڑیں گے تو چُورا جھڑے
شریفوں میں جھگڑا نہ تکرار ہو
گدھوں میں دُلتّی کا بیوہار ہو
پڑیں دیر ہونے سے جھگڑے کئی
پُرانے حسابوں کی بک بک نئی

نہ تحریر ہیں آ کے وعدہ ٹلے
کہ "لکھنتم" کے آگے نہ "بکنتم" چلے
زباں ہے سراسر زباں بھول چوک
چکائے گی جھگڑا کہاں بھول چوک
کسی کو جو دینے لگے لکھ کے دے
اگر بھول جائے تو کاغذ سے لے
ملائم زباں کا نہ کر اعتبار
کسی کا نہ ہو یار ہر اک کا یار
امیں ہے ہر اک شخص لینے کے وقت
دیانت نظر آئے دینے کے وقت
نہ تو آسمانوں زمینوں میں دیکھ
تو جنّت امینوں کے سینوں میں دیکھ

صلہ رحم

رہو مل کے یوں حسن تدبیر سے

کہ جس طرح شکّر ملے شیر سے

رقیبوں کو اپنا بناؤ حبیب
حبیبوں کو سمجھو نہ اپنا رقیب

قرابت بھی ہے محبّت ہو پاک
محبت نہیں تو قرابت ہے خاک

عزیزوں کی جانب سے رکھ دل کو صاف
خطا بھی ہو اُن سے تو کر دے معاف

عزیزوں سے بھی گاہ پہنچے زیاں
کبھی دانت بھی کاٹ لیں گے زباں

اکٹھے رہیں سو جھنکتے رہیں
جو ہوں چار برتن کھنکتے رہیں

بُرے بھی تو ہوتے ہیں اچھوں کے ہاں
کہ ہو آگ سے جیسے پیدا دُھواں

*نہ خوش ہو کے بھائی سے بھائی ملے
تو نیکی کے بدلے بُرائی ملے

جو اپنے ہی سب تجھ سے بیزار ہوں
تو دُشمن نہ پھر تجھ کو درکار ہوں

*جو خدمت نہ کی تو نے ماں باپ کی
تو پھر زندگی ہے تری پاپ کی

عزیزوں سے ہے دشمنی خود کُشی
کہ غم اُن کا غم ہے خوشی ہے خوشی
ہو اپنوں کا غیروں سے بڑھ کر اثر
جگر تو جگر ہے دگر ہے دگر
گڑھے سے بھی تُو گرچہ لے گا نکال
عزیزوں کو گرنے سے پہلے سنبھال
مصیبت میں اپنوں سے اپنے ملیں
کہ ٹُوٹے ہی بازو گلے سے ملیں
وہ انساں ہے اوروں کو لے جو سمیٹ
کہ کُتّا بھی اپنا تو بھرتا ہے پیٹ
جو بن میں اُگے پھُوٹ ہر کوئی کھائے
جو گھر میں پڑے پھُوٹ گھر پھُوٹ جائے
ملال و کدورت نہیں دل میں خوب
نہ غُصّے میں ہونے دے سُورج غروب
اکیلے نہیں کام ہوتا بھلا
اکیلا تو ہنستا نہ روتا بھلا
جو ساتھی ہو ساتھ اُس کا چھوڑے نہ مرد

کہ جگ ٹوٹ جانے سے پڑ جائے نرد
غریبوں کی صحبت سے مت ہو نفور
کہ سائے کا ہمسایہ ہوتا ہے نور

وطن

تمہیں جس زمیں نے کیا ہے قبول
اُڑاؤ نہ دھول اس پہ برساؤ پھول
وہ طوفاں سے چڑیا بچیگی کہاں
جو اپنا ہی نوچا کرے آشیاں
کرے سرنگوں جو وطن کا علم
سر اس کا نگوں بلکہ ہو گا قلم
وطن کی محبّت جو رکھتا ہے تو
تو اہلِ وطن کی بچا آبرو
اگر اپنی راحت ہی منظور ہے
سمجھ لے کہ دِلّی ابھی دُور ہے

تری ایک کیا سَو اگر جان ہوں
وطن کی محبّت میں قربان ہوں

شہیدِ وطن کہہ کے یوں مر گئے
کہ جینا ہے، مرنا وطن کے لئے

وطن پر فدا ہے جو اِنسان ہے
کہ حُبِّ وطن جُزوِ ایمان ہے

وطن ہے وطن گرچہ ہو مثلِ گور
کہ انڈے میں بچّہ مچائے نہ شور

وطن سے قدم ہم نے باہر دھرے
تو چھالوں کی آنکھوں میں آنسو بھرے

وطن سے کہیں دُور بے کس اسیر
نگہباں سے کہتا تھا وقتِ اخیر

ذرا چیر کر دیکھ میرا بدن
ہے لکھّا ہُوا دل پہ میرے "وطن"

بدن چُست گر استخواں چُست ہوں
وطن سُست گر نوجواں سُست ہوں

سُنو نوجوانو یہ پیغامِ ہند

کہ مِل جُل کے روشن کرو نامِ ہند
ترقی کے رستے پہ بڑھتے چلو
بلندی کی گھاٹی پہ چڑھتے چلو
محبّت کی گنگا بہاتے چلو
دلوں سے کدورت مٹاتے چلو
نہ مسلم سے چھوٹے برہمن کا ساتھ
ہمیشہ رہے چولی دامن کا ساتھ
خوشی ایک ہو درد و غم ایک ہو
عَلَم ایک ہو دم قدم ایک ہو
ہمالہ سی دل میں بلندی دکھاؤ
ترقّی کرو ہوشمندی دکھاؤ
غریبوں کے گھر میں اُجالا رہے
سدا ہند کا بول بالا رہے

تدبّر و سیاست

مُدبّر ہے وہ جس کی روشن ہو رائے

وطن کی جو کایا پلٹ کر دکھائے
مُدبّر ہے وہ جس کے دِل میں ہو عزم
سنور جائے قوم اُس کی بے جنگ و رزم
مُدبِّر ہے وہ عاقل و ہوشیار
ہر افتاد پر ہو جو فوراً سوار
مُدبِّر ہے وہ جو کہ ہو بے غرض
نہ خود مطلبی کا ہو جس میں مرض
مُدبِّر ہے وُہ جس کی روشن ہو رائے
جو شورش کے ریلے میں بہتا نہ جائے
مُدبِّر تدبّر کا چھوڑے نہ ساتھ
رہے وقت کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ
نہ محکوم ہو قلبِ مغرور کا
جو خادم رہے دل سے جمہور کا
ہو منصب سے مقصود خدمت جسے
ہو دل سے وطن کی محبّت جسے
عدو پر نہ غلبہ کرے جنگ سے
کرے اُس پہ قابو کسی ڈھنگ سے

حکومت کی کل کو چلاتا رہے
جو کٹھ پتلیوں کو نچاتا رہے
وُہ محتاط چُھپا مُدّبِر بنے
جو بِلّی کے کانوں میں بچّے جنے
خُنک دِل ہو باتوں میں گو مثلِ برف
اثر میں ہو بجلی ہر اک اُس کا حرف
کرے اُس کو جمہور دل سے پسند
کہ دل اُن کے کر لے وہ مُٹھی میں بند
جو باتوں کا جادو چلاتا رہے
جو قوموں کی بگڑی بناتا رہے
وُہی بن سکے گا یہاں رہنما
کھڑا بھی ہو سیدھا بھی مثلِ عصا
جو دانا ہو رکھّے کھُلے اپنے کان
بڑی اس کی آنکھیں ہوں چھوٹی زبان
نہ جس قوم کا ہو کوئی رہنما
وُہ کشتی ہے جس کا نہیں ناخدا
جو پرجا مرے اور راجہ ہنسے

وہ راجہ مصیبت میں فوراً پھنسے
جو راجہ کو ہردم رِجھاتا رہے
وُہ اک سانپ گویا کھلاتا رہے
رہو اہلِ دُنیا میں یوں میری جاں
ہے بتّیس دانتوں میں جیسے زباں

بے زبانوں پر ترحّم

وہ اِنساں نہیں جو نہ رکھے یہ دھیان
کہ ننھّی سی چڑیا بھی رکھتی ہے جان
محبّت سے اس کا پھڑکتا ہے دل
جو ہو خوف طاری دھڑکتا ہے دِل
اگر اُس کے بچّوں کو پہنچے گزند
کرے نالہ و آہ و شیون بلند
جو ہو جائے ہرنی کا بچّہ شکار
تو وہ مامتا سے پھرے بے قرار

فصاحت خموشی، بلاغت سکوت
فقط بے زبانی زباں کا ثبوت
خبر ہے محبّت کی جاندار کو
سمجھتا ہے وہ تیری چُمکار کو
جو بچّے ہیں فطرت کے انسان سب
کرشمے ہیں قُدرت کے حیوان سب
وُہ جاں زندہ جس جاں سے انسان ہے
پرندوں میں اُڑتی وُہی جان ہے
جو کانپے کہیں ظلم سے بے زباں
لرز جائے دل ہو اگر تجھ میں جاں
قفس اُن کی آہوں سے ہے تار تار
تو گُل اُن کے غم سے ہے سینہ فگار
رہے بے زبانوں پہ ناداں دلیر
کہ بھینسے کے زخموں پہ کوّا ہو شیر
جو بھیڑوں کی چمڑی اُتارا کرے
وہ بچّوں کو بے وجہ مارا کرے
جو خچّر کو کوڑوں سے پیٹے خبیث

وُہ جورو کی چُٹیا گھسیٹے خبیث
ہنسے بے زبانوں کے دُکھ درد پر
تو صد حیف صد حیف اُس مرد پر
وہ ظالم جو بینڈھے لڑا کر ہو خوش
وُہ اخلاق کا خوں بہا کر ہو خوش
کبھی ڈھور ڈانگر کا کاٹو نہ پیٹ
جو کاٹو گے تم پیٹ جائے گا لیٹ
جو آوے کے نیچے بندھا ہے گدھا
وُہ دَم توڑ دے گا لدا ہی لدا
کہا بھُوکی بچھیا نے سُن اے بشر
تو چارہ کھلا چاہے پُوجا نہ کر
ہوں رنجیدہ جِس سے نہ حیوان بھی
فرشتہ بھی ہے اور اِنسان بھی
نہیں پِیٹنا جس کو حیواں کا پاپ
تو پِٹنے کے قابل وہ حیواں ہے آپ

زندگی

یہ عقدہ کنارِ لبِ جُو کھُلا
کہ اِنسان پانی کا ہے بُلبلا
مِلا زندگی کا ہمیں یہ سُراغ
ہوا میں جلایا کسی نے چراغ
جو آیا یہاں آ کے چلتا ہُوا
پچھتا ہُوا ہاتھ ملتا ہُوا
نہ ساتھی نہ ہمرہ کوئی خویش ہے
سفر ایک بچپن سے در پیش ہے
کبھی تو عیاں ہیں کبھی گُم ہیں عکس
یہ ہستی کے شیشے میں ہم تم ہیں عکس
ہے جیسے حباب اِک ہوا کی گرہ
یہ ہستی ہے گویا فنا کی گرہ
گھڑی کی طرح ہے جو گردش مدام
ہُوئی عمر گن گن کے لمحے تمام

کبھی موت آکر بگاڑے گی کھیل
کُلیلوں کے اندر لگے گی غلیل
ہے فرعون اکڑا ہُوا گور میں
تو کمزور ہے مور سے زور میں
یہ مٹّی کو چھونا بھی ڈھائے ستم
ہرن کو پھنسائیں گے نقشِ قدم
اسی سوچ میں مت گنوا زندگی
کہ کیونکر ہے، کیسی ہے، کیا زندگی
یہ بڑھنا یہ گھٹنا یہ بسط اور قبض
اِسی طرح چلتی ہے دُنیا کی نبض
نہیں سانس لینا یہاں زندگی
بھلا دھونکنی میں کہاں زندگی
یہ ہستی ہے کچھ ہوش، مستی ہے خواب
جو مستی ہو غالب تو ہستی ہے خواب
کہاں زندگی غم کا پیغام ہے
یہ فطرت کا احسان و انعام ہے
تُو کر جیسے مرضی ہو تیری درو

تری ہی درانتی ہے تیرے ہی جو
محبت ہے تجھ کو بقا کی اگر
تو ایک ایک پل کو سمجھ سال بھر
تجھے فکر لازم جوانی کی ہے
یہ طفلی تری جاودانی کی ہے
اُسی کے ہوں بہتر معاد و معاش
فنا میں کرے جو بقا کو تلاش
تب آئی سمجھ جب بسر ہو گئی
کھلی آنکھ جس دم سحر ہو گئی

پیری

سفید اب جو بالوں کا ہے پیرہن
سمجھ موت نے تجھ کو بھیجا کفن
گھر گم ہوئے جب گئے دانت ٹوٹ
ضعیفی نے کیسی مچائی ہے لوٹ

جُھکے، گور کو جُھک کے ملنے لگے
زباں کی جگہ دانت ہلنے لگے
دمادم رہی دم کی آرہ کشی
تو کی عافیت نے کنارہ کشی
کماں کی طرح خم ہُوا مردِ پیر
کہ چلنے کو ہے زندگانی کا تیر
سفیدی ہے بالوں پہ چہرہ ہے زرد
جو چلتی ہے چکّی تو اُڑتی ہے گرد
نہ کیونکر ہو پیرِ نوَد سالہ خم
نہیں بارِ ایّام کا بار کم
سفید اِس لئے ہے بڑھاپے میں سر
رہی راکھ باقی بجھے سب شرر
کہاں عہدِ پیری میں خوش باشیاں
کرے مُو سپیدی نمک پاشیاں
کہاں عہدِ پیری میں جوشِ شباب
سحر کو نہ ہو شمع میں آب و تاب
بڑھاپے پہ ہو مفلسی گر سوار

لگیں ٹھوکریں اور مٹی ہو خوار
بڑھاپے میں غربت ستایا کرے
کہ سردی میں سایہ نہ بھایا کرے
تھکا اونٹ تکتا ہے گردن اٹھائے
کب آئے سرا جس میں آرام پائے
غنیمت سمجھ لو جوانی کا عہد
کہاں بوڑھی مکھی سے بنتا ہے شہد
بڑھاپے میں دولت کمائی تو کیا
جو مردے نے مہندی لگائی تو کیا
جو بوڑھا ہو خود موت کے پاس جائے
مگر موت لینے جوانوں کو آئے
محبت ہے بوڑھوں کو دنیا سے سخت
دھنسے ہیں زمیں میں پرانے درخت
بڑھائے تری رو سیاہی خضاب
پلٹ آئے دھوکے سے کیونکر شباب
کرو ان کی عزت جو ہوں مو سپید
سجے مو سپیدی جو ہو رو سپید

گذر جائے محنت سے روزِ حیات
تو پیری ہے گویا تری چاندرات

موت

بنا ہے سو بگڑے گا بے قال و قیل
کہ خود زندگی موت کی ہے دلیل
یہ سب بندشِ آب و گِل جائے گی
اسی دھول میں رِل جائے گی
بدل جائے جینے کا دکھ چین سے
جو مر جائے سو جائے سکھ چین سے
فسانہ ہے دنیا، لحد جائے خواب
فسانے کو سُن سُن کے آجائے خواب
اگر موت آئے نہ رنجور ہو
جو چھٹی ہو مزدور مسرور ہو
اجل ذی خرد کو ستاتی نہیں

کبھی موت دو بار آتی نہیں
دُوئی کا جو دیں جی سے پردہ اُتار
وہ مرنے بھی جائیں تو گائیں ملار
نہ کر موت کی وجہ سے دِل ملول
کہ خنداں اُگیں تیری مٹّی سے پھُول
مِلا مرنے والوں کو آرام وُہ
کہ اُٹھنے کا لیتے نہیں نام وُہ
فنا کا ہے جیتے ہی جی داغ غا
نہیں بعد مرنے کے کوئی فنا
بنایا ولادت نے فانی ہمیں
چل آ موت کر جاوُدانی ہمیں
خزانہ جو مٹّی میں مدفون ہے
وہ لُوٹ اور غارت سے مامون ہے
نہ پُوچھو مری اِنتہا موت ہے
وُہ مجرم ہوں جس کی سزا موت ہے
کہاں مال و دولت جب آئی فنا
مرے آج، کل دُوسرا دِن ہُوا

رہے موت سے آدمی یوں پرے
کہ جیسے اندھیرے سے بچّہ ڈرے
اگر موت لائی ہے غم کا وفور
نہیں موت کا ہے یہ تیرا قصور
وہ ہے موت کے ہاتھ میں اک کماں
کہ بوڑھا بچیگا نہ اُس سے جواں
قدم جن کے دُنیا سمجھتی تھی پاک
پڑی اُن پہ چیونٹی کے پیروں کی خاک
جواں پر ترس کھا کے رُکتی ہے موت
نہ بُڈھوں کے جھکنے سے جھکتی ہے موت
جو کی چرخ نے گوشمالی چلے
جو بھر بھر کے اُٹھے تھے خالی چلے

مناظرِ قدرت

دِل افروز ہے منظرِ کائنات

دِل آویز ہے جلوہ گاہِ حیات
تجلّی کو جلوہ جو منظور ہے
تو ہر شمع فوّارۂ نور ہے
یہ پلکوں نے ہر سمت اُنگلی اُٹھا
کہا دیکھ جلووں کی رونق ذرا
جو ہو چشم بینا نظر آئے نُور
یہاں ذرّہ ذرّہ ہے صحرائے نُور
چلا حُسن بجتا بجاتا ہوا
شعاعوں کا بکتر رگاتا ہوا
جو ہیں کان فطرت کے نغموں کو سُن
جو آنکھیں ہیں جلووں کے پھولوں کو چُن
کھُلی ہے جو فطرت کی زرّیں کتاب
تو پڑھ اُس میں لطف و محبت کا باب
نمائش ہے جلووں کی غفلت شکن
کھُلی آنکھ رکھ اپنی آئینہ بن
فلک کے چمن میں جو کھلتا ہے چاند
تو ہر اِک کے پیالے میں ملتا ہے چاند

شبِ مہ کے بادل وُہ اُجلا سماں
فضا میں وہ چاندی کے تختِ رواں
وہ قطروں کا گرنا وہ کویل کی کُوک
کلیجے سے اُٹھتی ہے سُن سُن کے ہُوک
جو چاندی کی سیڑھی لگاتا ہے چاند
اُتر کر لبِ جُو نہاتا ہے چاند
صبا کا نہیں بے سبب ارتعاش کانپنا
یہ پتّوں میں کرتی ہے نغمے تلاش
صبا سے ہے سبزہ لہکتا ہُوا
گلوں سے ہے سایہ دہکتا ہُوا
ہری دُوب میں پھُول کی کیاریاں
کہ مخمل پہ جیسے ہوں گلکاریاں
صبا لے کے کستی ہے وقتِ سحر
کسوٹی پہ پتّوں کی، پھُولوں کا زر
رگِ گل سے ہر سمت پھیلا ہے جال
نزاکت سے پھنس جائے جس میں خیال
وہ پتّوں سے انگور کی تاک جھانک

جگر رنگترے کا کہیں پھانک پھانک
یہ آیا ہے چل کر بہت دُور سے
کہ چھالے ہیں تلووں میں انگور کے
ملی ہے جو کونپل کو ننھی زباں
تو کرتی ہے احسانِ فطرت بیاں

رازِ فطرت

بشر اپنی ہستی سے ہے بے خبر
کہ آتا کدھر سے ہے جاتا کدھر
کسے رازِ فطرت کی ملتی ہے راہ
کہ پائے گی چیونٹی نہ ساگر کی تھاہ
زمیں کا لے کوسوں مسافت دراز
کہاں چھوڑ کر جائے چڑیا جہاز
مہ و مہر و انجم زمیں آسماں
ہے فطرت کی پھیلی ہوئی چیستاں

حیات و ممات و بقا و فنا
طلسمِ جہاں کی بندھی ہے ہوا
مکین و مکان و زمین و زماں
بسیں تنگیٔ دِل میں لاکھوں جہاں
سب آباد ہیں دل کی تنہائیاں
ملیں کِس کو فطرت کی گہرائیاں
چلیں لڑکھڑاتی ہوائیں یہاں
تھرکتی ہیں لاکھوں فضائیں یہاں
بھڑک اُٹھی آتش شرارے ہُوئے
پھڑک اُٹھی فطرت ستارے ہُوئے
وہ ہر سمت قدرت کے جلوؤں کی دھوم
شعاعوں کی کثرت ہجوم ہجوم
عزیزو مرے دل کو کیا ہو گیا
یہ نادان گھمسان میں کھو گیا
یہ ذرّے نے آکر کہا جوش میں
کہ سورج پلیں میری آغوش میں
جہاں ہیں جہاں میرے اندر نہاں

نئی میری دُنیا نیا آسماں
نہ مقدار میں ہَیں نہ کچھ تول میں
مگر ایک دُنیا مرے خول میں
گھٹیں جتنی اِنساں کی دلتنگیاں
بڑھیں اور فطرت کی نیرنگیاں
نہ دیکھ مثلِ تصویر حیرت کی آنکھ
تجھے کام دے گی بصیرت کی آنکھ
جو پردے میں ہے لُطفِ رازو نیاز
ہے پردوں ہی پردوں میں فطرت کا ساز
یہ اندھوں کی محفل میں رہ پوشیاں!
یہ بہرے کے کانوں میں سرگوشیاں،
جو دیکھے وہ مُنہ سے نہیں بولتا
جو بولے وہ آنکھیں نہیں کھولتا
تو چڑیا ہے رہ اپنے قطرے میں سیر
بھلا کس نے پایا ہے دریا کا پھیر

I have two hands and

رام رام رام

ل ل ل ل ل ل

ن ن ن ن ن

ق ق ق ق ق

ض ص ف ا ا